اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اصول

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

اِسلامی نظامِ معیشت

کے

بنیادی اُصول

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

وَلَا الْتَمَسْتُ غِنَی الدَّارَیْنِ مِنْ یَّدِهٖ

اِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدٰی مِنْ خَیْرِ مُسْتَلَمِ

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۷۰-۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷-۷ این۔ا/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر کرامت اللہ
تخریج	:	حسنین عباس
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	مارچ 2008ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	-/125 روپے

❁ ❁ ❁

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ شدہ خطبات و لیکچرز کے کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

فہرس

صفحہ	عنوانات
۱۱	❖ پیش لفظ
۱۵	اسلامی معیشت کے بنیادی اصول
	فصل اَوّل:
۱۷	**ملکیتِ اَموال سے مراد صرف امانت و نیابت ہے**
۱۹	۱۔ ملکیتِ خداوندی
۲۱	۲۔ ملکیتِ اَموال کا مفہوم
۲۲	۳۔ مال انسانی زندگی کی بقاء و اِستحکام کا ضامن ہے
۲۳	۴۔ آباد کار ہی مردہ زمین کا مالک ہوگا
۲۵	۵۔ ملکیتِ مال کے دو پہلو
۲۶	۶۔ اِحتکار و اِکتناز عذاب الٰہی کا باعث ہے
۲۸	۷۔ ملکیتِ اَموال حقیقت میں معاشی خلافت ہے
۳۳	۸۔ ملکیتِ میں انسان کا امانتی کردار

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
فصل دوم:	
زمین اور اُس کی پیداوار میں اصلاً تمام انسانوں کا حق ہے	۳۵
ا۔ زمین کی تحدید اور تقسیم	۴۰
۲۔ ضرورت سے زائد زمین پر حسبِ ضرورت حکومتی تصرف کا حق	۴۱
فصل سوم:	
جملہ اموال میں حاجت مندوں کا شرعی حق ہے	۴۳
(۱) مالِ وراثت میں غرباء کا شرعی حق	۴۷
(۲) ادائیگی زکوٰۃ سے حکمِ انفاق ساقط نہیں ہوتا	۴۸
(۳) غرباء کے معاشی حق کی ادائیگی اصل دینداری ہے	۵۰
(۴) سرمایہ دارانہ ذہنیت قرآنی فکر سے متصادم ہے	۵۲
فصل چہارم:	
اصل رزق اور بنیادی حق المعاش میں تمام اِنسان برابر ہیں	۵۷
(۱) اَصل رزق میں برابری اور درجات رزق میں تفاوت	۶۱

صفحہ	عنوانات
۶۴	(۲) حاصلِ کلام
	فصل پنجم:
۶۵	بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے
۷۰	(۱) بنیادی حق المعاش کیا ہے؟
۷۲	(۲) بنیادی حق المعاش کی مساوی فراہمی کا حکم
۷۳	فلیعد به کا انقلابی فلسفہ
۷۶	(۳) حق المعاش کی فراہمی تقاضائے ایمان ہے
۷۷	(۴) معاشی مساوات اور نیک حکمران
۷۸	(۵) موجودہ حالات میں سنگین معاشی صورت حال اور اس کا تدارک
۸۰	(۶) قرض چھوڑ کر مرنے والے کی ریاست پر ذمہ داری
۸۱	(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتصادی اصلاحات کی چند مثالیں
	فصل ششم:
۸۵	حرام ذرائع معیشت کا انسداد
۸۸	ا۔ أکلِ حرام

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۲۔ خیانت	۸۸
۳۔ رشوت	۸۹
۴۔ امراء و حکام کو تحائف	۹۰
۵۔ سودی لین دین	۹۲
۶۔ معاشرتی برائیاں	۹۵
۷۔ قحبہ گری و عصمت فروشی	۹۵
۸۔ چوری، لوٹ مار، دھوکہ اور ظلم و غصب	۹۶
۹۔ اخسارِ میزان اور احتکار	۹۷
۱۰۔ گداگری	۹۸
فصل ہفتم:	
صَرف اور خرچ میں اعتدال قائم رکھنا شرعی فریضہ ہے	۱۰۱
نظام مصارف کی درجہ بندی	۱۱۳
۱۔ حاجات	۱۱۳
۲۔ ضروریات	۱۱۴
۳۔ تسہیلات	۱۱۴

www.MinhajBooks.com

صفحہ	عنوانات
۱۱۴	۴۔ تحسینات و تزئینات
۱۱۴	۵۔ اسرافات و تعیشات
۱۱۴	۶۔ تبذیرات
	فصل ہشتم:
۱۱۵	ہر شہری کے لئے حتی المقدور کسبِ معاش ضروری ہے
	فصل نہم:
۱۲۳	کفالتِ عامہ کے نظام کا اجراء و تنفیذ ریاست کا فریضہ ہے
	فصل دہم:
۱۳۹	احتکار و اکتناز کا انسداد
	فصل یازدہم:
۱۶۳	اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح حاصل ہے
	فصل دوازدہم:
۱۶۹	غیر سودی معیشت کا قیام
۱۷۱	۱۔ سودی معیشت کی شرعی ممانعت

www.MinhajBooks.com

صفحہ	عنوانات
۱۷۵	۲۔سودی معیشت کے روحانی و اخلاقی نقصانات
۱۷۵	۳۔سودی معیشت کے معاشرتی وتمدنی نقصانات
۱۷۶	۴۔سودی معیشت کے سیاسی نقصانات
۱۷۶	۵۔سودی معیشت کے معاشی نقصانات
۱۷۸	خلاصۂ کلام
۱۸۱	❁ مآخذ ومراجع

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

انسانیت کے لئے آخری کامل دین اور نظامِ زندگی ہونے کے باعث اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی کے حوالے سے جامع اور واضح رہنمائی کا حامل دین ہے۔ معیشت انسانی زندگی میں مرکز ومحور کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کی معاشی زندگی کی اصلاح ہی میں دنیا اور آخرت کی فلاح مضمر ہے۔ اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے تصورات کو انقلاب آفریں جہات سے آشنا کیا وہیں معاشی زندگی کے تصورات کو بھی بدلا۔ معاشیات دورِ جدید میں سامنے آنے والا علمی شعبہ ہے جس کا مغربی دنیا میں باقاعدہ آغاز آدم سمتھ (Adam Smith, 1723-1790) کی ۱۷۷۶ء میں منظرِ عام پر آنے والی کتاب ’’ثروتِ اقوام‘‘ (The Wealth of Nations) سے ہوا۔ دورِ جدید کے ماہرینِ معیشت کے مطابق معاشیات سے مراد دولت کا علم ہے۔ یعنی معاشیات وہ علم ہے جو انسانی ضروریات اور ان کو پورا کرنے کے لئے میسر وسائل کا مطالعہ کرتا ہے۔ اسلام کا عطا کردہ تصورِ معیشت معاشیات کو صرف دولت کے علم یا معاشرے میں موجود معاشی وسائل کے مطالعے تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ اس کا مقصود ان معاشی افکار ونظریات اور تعلیمات کا فروغ ہے جن کی روشنی میں انسانی معاشرہ حقوق کی عطائیگی اور فرائض کی ادائیگی کے اعتدال کا ایسا مظہر بن سکے جہاں دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور معاشرے میں موجود معاشی وسائل اور مواقع تک ہر فردِ معاشرہ کو منصفانہ رسائی میسر ہو۔ اسلام نے معیشت کے اس تصور کو صرف تعلیمات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اسے عقائد کی خالصیت اور عبادات کی مقبولیت کے ساتھ منسلک کر کے اسے تصورِ دین کا جزو لاینفک بنا دیا۔ یہی سبب ہے کہ اسلام کے صدر اوّل سے تا حال جہاں بھی، جب بھی اور جس زمانے میں بھی اسلام غالب رہا اسلامی معاشرہ معاشی اور معاشرتی خوشحالی کا بھی نمونۂ کامل رہا۔

’’اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول‘‘ کے عنوان سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی زیر نظر تصنیف میں اسلامی معیشت کے بنیادی اصول وضوابط کا اجمالاً احاطہ کیا گیا ہے۔ اسلامی معیشت ان بیسیوں خصائص و امتیازات کی حامل ہے جن سے دورِ جدید کے معاشی نظام عاری ہیں تاہم زیر نظر تصنیف ان خصائص اور امتیازات میں سے بارہ (۱۲) بنیادی خصوصیات کو بیان کرتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے کمال دقتِ نظری اور بصیرت سے ان خصوصیات کو بیان کیا ہے جو اسلام کے سارے نظامِ معیشت میں رُوحِ رواں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سر فہرست انسان کا تمام اموالِ معیشت کے ساتھ بطور امین تعلق ہے۔ اسلام نے نہ صرف انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا ہے بلکہ اس کے لئے باقاعدہ قواعد وضوابط بھی عطا کیے ہیں تاہم انسان کو عطا کئے جانے والے حقِ ملکیت کے ناروا استعمال یا اس میں افراط وتفریط ہونے کے باعث معاشرے میں پیدا ہونے والے معاشی اختلاف کے سدباب کے لئے اس حقِ ملکیت کی بنیاد امانت اور نیابت پر رکھی ہے۔ نتیجتاً گو انسان اموالِ معیشت کا مالک ہوتے ہوئے ان میں ہر نوع کے تصرف کا مجاز ہے مگر اس کا یہ تصرف مطلق حیثیت کا حامل نہ ہوگا کیونکہ اس کی ملکیت مطلق نوعیت کی نہیں بلکہ نیابتی نوعیت کی حامل ہے چونکہ حقیقی اور مطلق ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے لہٰذا انسان کا معاشی تصرف قانونِ الٰہی کے ماتحت ہی ہوگا۔ زیر نظر کتاب اسلام کے اس بنیادی تصور کی توضیح اور اسلام کی تمام معاشی تعلیمات اور اصول وضوابط کی اس کارفرمائی کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ گو کہ اسلام کی معاشی تعلیمات کے حوالے سے کافی کتب منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، تاہم زیر نظر تصنیف اسلام کی معاشی تعلیمات کے ان پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے نمایاں سنگ میل ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ناظمِ تحقیق، تحریک منہاج القرآن

۱۱ مارچ، ۲۰۰۸ء

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی تصور سے متعلق قواعد وضوابط کی آپس میں اس طرح کی ترتیب وتشکیل کہ ان میں گہرا ربط قائم ہو جائے نظام کہلاتا ہے۔ لغوی و اصطلاحی اعتبار سے کسی تصور کے اجزائے ترکیبی اور اصول وضوابط کو اس طرح مرتب کرنا کہ ان میں وحدت کا عنصر نمایاں ہو جائے نظام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کسی بھی نظام کو کامیابی سے چلانے کے لئے اس کے اصول وضوابط ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جن کی غیر موجودگی میں اس نظام کے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے اور وہ نظام بیکار ثابت ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں کئی نظامِ معیشت رائج ہیں لیکن ''اسلامی نظامِ معیشت'' کے سوا باقی تمام نظام انسان کا معاشی مسئلہ حل کرنے سے قاصر رہے ہیں، کہیں افراط وتفریط ہے تو کہیں انسان کو محض مشینی پرزہ (Cog of Machine) بنا دیا گیا ہے یا پھر اس کی اخروی زندگی کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت ایک ایسا منصفانہ نظام ہے جس میں ہر شخص کی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی بہبود کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کا متبادل کوئی اور نظام ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کسی اور نظام کو اس کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظام ہر لحاظ سے یکتا، امتیازی حیثیت کا حامل اور انتہائی جامع ہے۔ چنانچہ اس نظام اور اس کی عملی تنفیذ کے لئے اس کی تعلیمات کا ادراک بہت ضروری ہے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آج کے انسان کا اصل مسئلہ محض صنعتی ترقی کا حصول یا پیداوار میں اضافہ ہے۔ بلاشبہ صنعتی ترقی اور معاشی پیداوار میں اضافہ بڑی ضروری چیز ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری مسئلہ پورے معاشی نظام کا ہے اور درحقیقت خود معاشی ترقی

(Economic Development) کا انحصار بھی اسی مجموعی نظام پر ہے جس کی وجہ سے معاشی ترقی کا حصول ممکن ہوتا ہے کیونکہ اس سے ہٹ کر معاشی ترقی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ زرعی پیداوار، صنعتی اشیاء اور خدمات میں اضافہ معاشی ترقی اور خوشحالی کا مقصدومنتہا تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک خوشحال، بہترین اور پرامن معاشرے کا قیام بھی ضروری ہے۔ پروفیسر وی۔ اے۔ ڈیمنٹ کے الفاظ میں:

> Industrial development enriches a community which is sound in its agriculture, its domestic and craft life, and in its spiritual robustness.(1)

> ''صنعتی ترقی اسی معاشرے کی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے جس کی زرعی بنیادیں مستحکم ہوں، بنیادی اور گھریلو حرفت مضبوط ہو اور جس میں روحانی قوت بھی پائی جاتی ہو۔''

اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ای۔ ڈی۔ ڈومر کہتے ہیں:

> ''معاشی ترقی کا انحصار معاشرے کی روح پر ہوتا ہے اور ترقی کے کسی بھی تشریحی نظریئے کو اپنے اندر معاشرے کے طبعی ماحول، سیاسی ڈھانچے، ترغیبات، تعلیمی نظام اور قانونی نظام کو جگہ دینی چاہیے نیز اس کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اس معاشرے کے افراد کا سائنس، معاشرتی تبدیلیوں اور ارتکازِ دولت کے بارے میں کیا رویہ ہے۔''(۲)

ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم دورِ حاضر میں مستعمل اور رائج معاشی نظام کو تبدیل کر کے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالیں جو ہماری معاشی ضروریات کو پورا کر سکے نیز ہمارے

(1) Prof. V.A. Demant, *Religion and Decline of Capitalism* , Newyork, USA, 1952, p.147

(2) E.D.Domar, Economic Growth: An Economic Approach, American Economic Review, Vol.XVII, No.2, May,1952, p.481

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

تمدن، ہماری اقدارِ حیات اور ہمارے نظریۂ زندگی کے مطابق ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نیا نظام کیا ہو؟ ہماری یہ ضرورت صرف اسلامی نظامِ معیشت ہی پوری کر سکتا ہے۔ اس کتاب میں اسلام کے معاشی اصولوں، معاشی زندگی کے اصولوں کی ترغیب و تہذیب اور عملی زندگی میں ان کے کردار سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے اصولوں کو عام فہم انداز میں بیان کیا جائے۔ معاشیات کی اصطلاحی زبان کے ساتھ ساتھ عام قارئین کی سہولت کے لئے بالکل سادہ اندازِ بیاں اختیار کیا گیا ہے۔

اِسلامی معیشت کے بنیادی اصول

(Fundamental Principles Of Islamic Economics)

اسلامی معاشی تعلیمات کی روح کو نظام میں ڈھالنے والے بنیادی اصول و ضوابط درج ذیل ہیں:

۱۔ ملکیتِ اموال سے مراد صرف امانت و نیابت ہے۔

۲۔ زمین اور اس کی پیداوار میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر ہے۔

۳۔ جملہ اموال میں حاجت مندوں کا شرعی حق ہے۔

۴۔ اصل رزق اور بنیادی حقِ معاش میں تمام انسان برابر ہیں۔

۵۔ بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۶۔ حرام ذرائع معیشت کا انسداد۔

۷۔ صرف اور خرچ میں اقتصاد قائم رکھنا شرعی فریضہ ہے۔

۸۔ ہر شہری کے لئے حتی المقدور کسب معاش ضروری ہے۔

۹۔ کفالتِ عامہ کے نظام کا اجراء و تنفیذ ریاست کا فریضہ ہے۔

۱۰۔ احتکار و اکتناز کا انسداد۔

۱۱۔ اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح حاصل ہے۔

۱۲۔ غیر سودی معیشت کا قیام۔

مذکورہ بالا بنیادی معاشی اور اقتصادی تصورات وہ لازمی عناصر ہیں جن سے اسلام کا نظام معیشت تشکیل پاتا ہے۔ اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تصورات اور اصولوں پر روشنی ڈالیں گے۔

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

ملکیتِ اَموال سے مراد صرف امانت و نیابت ہے

www.MinhajBooks.com

ملکیت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ''مِلک'' ہے جو اپنے اندر مالک ہونے کے معنی لئے ہوئے ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی شخص کے لیے کسی شے کا حقِ قبضہ اورحقِ تصرف ثابت ہو جانا ملکیت کہلاتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کے ہر نظامِ معیشت میں ''تصورِ ملکیت'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے اسی لئے اس ضمن میں درج ذیل حقائق کی نشاندہی کرتا ہے:

۱۔ ملکیتِ خداوندی

دینِ اسلام میں سب سے پہلے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملکیت اورتصرف میں ہے یہاں تک کہ انسان کے معاشی وسائل جن پر اس کی روزی کا انحصار ہے وہ سب کے سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ **قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○**[۱]

''(ان سے) فرمایئے کہ زمین اور جو کوئی اس میں (رہ رہا) ہے (سب) کس کی مِلک ہے، اگرتم (کچھ) جانتے ہو؟○ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ (سب کچھ) اللہ

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۸۴۔۸۹

کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتےo (ان سے دریافت) فرمایئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم (یعنی ساری کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ) کا مالک کون ہے؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو؟o آپ (ان سے) فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں (تو) آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے؟o‘‘

۲۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَo ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَo لَوْنَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَo اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَo بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَo اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَo لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَo اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَo نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَo(۱)

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہوo تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤo (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیاo بلکہ ہم بے نصیب ہوگئےo بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہوo کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا

(۱) الواقعة، ۵۶: ۶۳۔ ۷۲

دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟o بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو۔ کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟o ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت وعبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہےo‘‘

۳۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ.(۱)

’’جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے۔‘‘

۲۔ مِلکیتِ اَموال کا مفہوم

ملکیتِ اموال کے باب میں پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس سے مراد محض ملکیت نہیں بلکہ امانت و نیابت ہے۔ یہاں ’’مالک‘‘ کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں فقط امین اور نائب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت میں ’’ملکیت‘‘ کا یہ اضافی مفہوم سب سے زیادہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس تصور کی وضاحت کے بغیر بقیہ اصول وضوابط پر گفتگو لا حاصل اور خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہ ہو گی۔ اس لئے سب سے پہلے نظامِ معیشت میں ’’ملکیت‘‘ کے معنی ومفہوم کو متعین کرنے کے لئے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

ملکیت سے مراد

ملکیت کا یہ تصور انسان کے اندر کسی مال کی نسبت صرف دو حقوق کے مجموعے سے عبارت ہے:

۱۔ حقِ قبضہ (Right of Possession)

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۸۴

۲۔ حقِ تصرف (Right of Disposition)

لہٰذا کسی مال پر جب ایک شخص کو شرعاً اور قانوناً اپنا قبضہ قائم کرنے اور اس میں حسبِ منشا تصرف کرنے کا حق مل جائے تو اس حق کو ''ملکیت'' کہتے ہیں۔ جہاں تک اس مال کے منفعتی اور افادیتی پہلو سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے اور جسے ہم اصطلاحاً ''انتفاع'' اور ''تمتع'' کہتے ہیں۔ وہ فی نفسہٖ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت ہے۔ بعض اہلِ علم اور ماہرین معاشیات نے انتفاع کو عین ملکیت یا داخلِ ملکیت قرار دیا ہے، جس سے نظامِ معیشت کا ایسا راستہ متعین ہوتا ہے جو حتمی طور پر استحصال پر منتج ہوتا ہے۔ مگر حضور نبی اکرم ﷺ جو صفحۂ ہستی پر پیغمبرِ انقلاب بن کر مبعوث ہوئے اور جنہوں نے ہر قسم کے استحصالی، باطل، جاہ پرستانہ اور جاگیردارانہ مفادات کے بتوں کو پاش پاش کر دیا، آپ ﷺ نے انسانیت کو ایک منفرد و ممتاز اور منصفانہ تصورِ ملکیت عطا فرمایا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے معاشی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے انتفاع کو داخلِ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت اور علتِ جوازِ ملکیت قرار دیا ہے۔

۳۔ مال انسانی زندگی کی بقا و اِستحکام کا ضامن ہے

اللہ تعالیٰ نے مال کو زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِیٰماً.(۱)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

اس آیہ کریمہ سے اس نکتے کا استنباط ہوا کہ مال کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں طبعًا زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن ہونا ودیعت کر دیا گیا ہے۔ گویا فی الحقیقت مال وہی ہے جس کے اندر طبعًا انسانوں کے لئے نفع کا سامان موجود ہو۔ باری تعالیٰ نے

(۱) النساء، ۴: ۵

انسانوں کو مختلف اشیاء و اموال پر ملکیت (یعنی قبضہ و تصرف) کا حق اس لئے عطا فرمایا ہے کہ اسے بروئے کار لا کر وہ ان اموال پر محنت صرف کریں اور ان کے اندر تخلیق کی گئی خوابیدہ منفعتوں اور افادیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ کیونکہ مال کو جب تک کسی کے قبضہ و تصرف میں نہ دیا جائے اس کی بالقوہ افادیت (Potential Utility) کو بالفعل افادیت (Actual Utility) میں نہیں بدلا جا سکتا۔ اگر اس مال کے خلقی اور طبعی فوائد و ثمرات یونہی بے جان دور از کار اور عملاً غیر سود مند ہو کر پڑے رہیں اور خلقِ خدا ان سے صحیح فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس مملوکہ شے یا مال کی تخلیق کا مقصد گویا پورا ہی نہ ہوا جبکہ باری تعالیٰ نے ہر شے کا مقصدِ تخلیق ہی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا قرار دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

۲۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا.(۱)

’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔‘‘

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

۳۔ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ o(۲)

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو o‘‘

۴۔ آباد کار ہی مردہ زمین کا مالک ہوگا

اس آیہ کریمہ سے یہ مترشح ہوا کہ زمین کی مالک فی الواقعہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذاتِ

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

اقدس ہے۔ زمین میں اسبابِ زندگی پیدا کرنے کی جو بالقوہ صلاحیت رکھی گئی ہے وہ طبقاتی ونسلی امتیازات سے ماوراء تمام انسانوں کو اس لیے عطا کی گئی کہ وہ محنت کر کے اس کے مخفی خزانوں کو سب کے فائدے کے لئے بروئے کار لائیں۔

اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مردہ اور غیر آباد زمینوں پر ان کے آباد کرنے والے کو حقِ ملکیت عطا فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من أحيا أرضاً ميتةً فهي له. (۱)

’’جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔‘‘

اس سے مراد یہ ہے کہ دراصل اس زمین کے اندر خوابیدہ صلاحیت تو تھی لیکن اس نے ابھی تک حقیقی صورت اختیار نہ کی تھی۔ اب جس نے اسے زندہ کر کے قابلِ کاشت بنا دیا، یعنی اس کی مخفی صلاحیت کو حقیقی صورت دے کر فعال کر دیا وہی اس کا مالک متصور ہوگا۔ گویا نفع اٹھانا اور دوسروں کو نفع اٹھانے دینا ہی حقِ ملکیت کے جواز کی بنیاد ہے۔ اگر کوئی شخص خود تو اس سے نفع اٹھائے لیکن خلقِ خدا کو نفع حاصل نہ کرنے دے تو اس نے ملکیت کے مقصد کو فوت کر دیا اور اس نے اپنے حقِ ملکیت کی بنیاد کی اپنے عمل سے نفی کر دی۔

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۶۱۶، رقم: ۵۲۰۵

۵۔ بيهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۴۲، رقم: ۱۱۵۵۲

۶۔ بخاري، التاريخ الکبير، ۵: ۳۸۹

۷۔ مقدسي، الأحاديث المختارہ، ۳: ۲۹۷، رقم: ۱۰۹۶

۸۔ هيثمي، موارد الظمآن، ۱: ۲۷۸، رقم: ۱۱۳۶

۵۔ ملکیتِ مال کے دو پہلو

قرآنی تصورِ ملکیت کے تحت ہر شے اور مال کے دو پہلو متعین ہوئے جو اس طرح ہیں:

۱۔ منفعتی پہلو (Beneficial Aspect): یہ نفع اٹھانے کا پہلو ہے۔

۲۔ مقبضتی پہلو (Possessive Aspect): یہ قبضہ رکھنے کا پہلو ہے۔

قرآن حکیم کی روشنی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ انقلابی تصورِ ملکیت کے مطابق انسان کو اپنی مملوکہ اشیاء کی صرف ملکیتی حیثیت کا مختار بنایا گیا ہے۔ منفعتی حیثیت کا نہیں۔ یعنی اموال کے قبضہ و تصرف کے ضمن میں اس کے حقوق جائز حدود کے اندر مطلق اور بلا شرکتِ غیر تسلیم کئے گئے ہیں۔ گویا اموال کے قبضہ و تصرّف میں ممکن ہے کہ صرف ایک ہی شخص نجی حق رکھتا ہو، کسی اور کی اس میں کوئی شرکت نہ ہو مگر ان ہی اموال کے منفعتی پہلو پر اسلام اس کے محض بلا شرکتِ غیر نجی حق کو گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس میں معاشرے کے دوسرے افراد بھی شریک ہوں۔ اگر مالک اپنے مملوکہ اموال کے منفعتی پہلو میں دوسروں کے حقوق پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرے گا تو اس کی اپنی ملکیت بھی جائز قرار پائے گی۔ بصورت دیگر اگر دوسروں کے منفعتی حقوق کا استحصال کرے گا تو اس کی اپنی ملکیت کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ اگر مخلوق کے نفع اٹھانے کا حق ہی جوازِ ملکیت کی بنیاد نہ ہوتا تو جن لوگوں نے جائز ذرائع سے دولت حاصل کی اور پھر اسے مستحقین اور غرباء پر خرچ نہ کیا تو زیادہ سے زیادہ ان پر خرچ کی اخلاقاً ترغیب ہی دی جا سکتی تھی اور خرچ نہ کرنے کے عمل کو گناہ، جرم اور سزاوارِ عذابِ جہنم قرار نہ دیا جا سکتا تھا۔

اس عمل کو مستوجبِ عذابِ جہنم قرار دیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محض ایک اخلاقی حق کو سلب نہیں کر رہا بلکہ دوسرے کے شرعی اور قانونی حق کو سلب کرتے

ہوئے ظلم و استحصال کا مرتکب ہو رہا ہے۔

۶۔ اِحتکار و اِکتناز عذابِ اِلٰہی کا باعث ہے

قرآن و سنت سے ماخوذ تصورِ ملکیت کے تحت اگر مملوکہ مال کے تمام حقوق جو دوسروں کو منافع میں شریک کرنے سے متعلق ہیں، پورے طور پر ادا نہ کئے جائیں تو نہ صرف ملکیت ہی ناجائز ہو جاتی ہے بلکہ وہ عذابِ آخرت کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَo(۱)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںo جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےo‘‘

۱۔ حدیث مبارکہ میں بھی ضرورت سے زائد مال کو مستحقین پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

يا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خيرلک وأن تمسکه شرلک ولا تلام على کفاف وابدأ بمن تعول.(۱)

''اے ابن آدم! ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا تیرے لیے زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر تو اس مال کو خرچ کرنے سے روک لے گا تو یہ تیرے لیے باعث شر ہوگا۔ البتہ بقدرِ ضرورت بچا کر رکھنا تمہارے لیے باعث عار نہیں ہوگا اور انفاق کا آغاز اپنے قرابت داروں سے کر۔''

۲۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باب میں اپنے عمل مبارک سے بھی یہی تصور واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لو کان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين.(۲)

''اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو (ایسی صورت میں بھی) میرے لیے یہی بات باعث راحت ہوتی کہ میں تین راتیں گزرنے تک اسے راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور اس مال میں سے اسی قدر بچا کر رکھتا جو قرض کی ادائیگی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲:۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

۳۔ بيهقي، السنن، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الرقاق، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهبا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزکاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

کے لئے ضروری ہوتا۔‘‘

مراد یہ کہ احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو سوائے قرض کی ادائیگی جیسی ضرورت کے باقی تین دن کے اندر اندر تقسیم کر دینا ہی میرے لیے باعثِ مسرت امر ہوتا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ دولت خواہ جائز ذرائع سے ہی کمائی گئی ہو لیکن اگر اسے جمع کر کے رکھ دیا جائے اور وہ افرادِ معاشرہ کے درمیان گردش نہ کرے تو اس ذخیرہ اندوزی (hoarding) پر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

۷۔ ملکیتِ اَموال حقیقت میں معاشی خلافت ہے

اب ہم قرآن مجید کے حوالے سے ملکیتِ اموال میں امانت و نیابت کا مفہوم واضح کرنا چاہتے ہیں کیونکہ کسی بھی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ نیابت اور امانت کا یہ تصور اخلاقاً تو شاید درست ہو لیکن اس کے پیچھے کوئی قرآنی استدلال نہیں اور اس کی کوئی شرعی و قانونی حیثیت بھی موجود نہیں۔ یاد رہے کہ کسی حکم کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لینے اور قانونی و شرعی حق تسلیم کرنے میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر امانت و نیابت کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لیا جائے تو اس پر نظامِ معیشت قائم نہیں ہوسکتا کیونکہ مجرد اخلاقی تصورات اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کی بنیاد پر کوئی نظام قائم کیا جا سکے، جب تک ان تصورات کو قانونی وجوب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے۔

۱۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ (۱)

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے

(۱) الحدید، ۵۷: ۷

خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اَجر ہے o‘‘

یہاں واضح طور پر ملکیت کو ’’استخلاف في المال‘‘ قرار دے دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (۱)

’’اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل امت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانت اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حق) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے۔‘‘

اس آیت میں یہ نکتہ کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اسلامی نظامِ سیاست میں حکومت اور اقتدار میں ’’استخلاف في الأرض‘‘ کا اصول کارفرما ہے۔ اسی طرح نظامِ معیشت میں ملکیتِ اموال کو استخلاف في المال کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس سے مستنبط ہوا کہ نہ تو اسلامی نظامِ سیاست میں کوئی حکمران روئے زمین پر اپنے آپ کو حاکمِ مطلق کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی نظامِ معیشت میں کوئی شخص مطلقاً ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر محض امین اور نائب ہیں لہٰذا دونوں مالکِ حقیقی کے حکم کے پابند ہیں اور کسی کو من مانی کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (۲)

---

(۱) النور، ۲۴: ۵۵

(۲) الحدید، ۵۷: ۱۰

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم فقط اس مالک کے نائب ہو)۔‘‘

اندازِ استدلال سے واضح ہے کہ مال خرچ کرنے کے معاملے میں مال کے امین کا متذبذب ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ فکر تو مالک کو ہونی چاہیے۔ قرآن استفسار کر رہا ہے۔ لوگو! تم خرچ کیوں نہیں کرتے اور مال کو کیوں روک رکھتے ہو جبکہ تم مالک ہی نہیں ہو بلکہ تمہاری حیثیت فقط نائب و امین کی ہے۔ نائب و امین ہمیشہ اپنے مالک کے حکم کا پابند ہوتا ہے۔ جب مالک خود فرما رہا ہے: ’’میرے نادار بندوں پر خرچ کردو‘‘ پھر تمہیں خرچ نہ کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟

ہماری رائے میں انفرادی اور اجتماعی ملکیت کے یہ سارے بحث مباحثے اور سرمایہ دارانہ یا اشتراکی نظامہائے معیشت کے سارے جھگڑے اسلام نے فقط ’’نیابت و خلافت‘‘ کہنے سے ختم کر دیئے ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تصورِ نیابت و امانت پر استوار ہونے والا معاشی ڈھانچہ کلیتًا اشتراکی اور سرمایہ دارانہ، دونوں نظاموں کے پیش کردہ تصورات سے یکسر جدا ہے اور اس میں افراط و تفریط سے پاک ایک متوازن عادلانہ نظامِ معیشت کی ضمانت دی گئی ہے۔ اسی اصول کو ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

۴۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰـكُمْ.(۱)

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتًا) عطا کر رکھی ہیں۔‘‘

(۱) الانعام، ۶: ۱۶۶

یہاں بھی انسان کی حیثیت، اموالِ دنیا کی بابت خلافت و نیابت ہی کی بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہے۔ یعنی ان اموال کے ساتھ کچھ شرائط وضوابط اور مصالح وابستہ ہیں اور تمہیں نائب و امین بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ تمہیں پرکھا اور آزمایا جائے کہ آیا تم اس امانت کے جملہ حقوق اور مصالح کی رعایت کرتے ہو یا نہیں؟ اس لئے معلوم ہوا کہ اسلامی نظامِ معیشت میں ''ملکیت علی الاطلاق'' کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ چنانچہ اس نظام کے احکام وقوانین اپنی ماہیت اور مزاج کے اعتبار سے مطلقاً دوسرے نظاموں سے مختلف ہیں۔

ایک اور مقام پر یہی تصور ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ مال تو فی الحقیقت اللہ ﷻ کا ہے اور وہ تمہیں فقط برتنے کے لئے دیا گیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ تم اس پر اس طرح قابض ہو رہے ہو کہ دوسروں کو ان کا حق بھی نہیں دینا چاہتے۔

۵۔ ارشادِ الٰہی ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا○ (۱)

''ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) ممنوع اور بند نہیں ہے○''

یہاں بھی واضح طور پر اموال واسباب کو فقط عطائے الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ پھر انسان اس کا مالکِ مطلق کیسے بن سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس کی حیثیت فقط محافظ اور امین ہی کی ہوگی اور اس میں ہر فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مقبوضہ اور زیرِ تصرف مال سے جس طرح خود فائدہ اٹھا رہا ہے، دوسروں کو بھی اٹھانے دے۔ تب ہی وہ امانت میں

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

سچا ہے ورنہ خائن اور غاصب ٹھہرے گا کیونکہ آیتِ کریمہ نے دونوں صورتوں میں یہ شرط عائد کر دی ہے:

۱۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

۲۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

پہلی شق کا مفہوم یہ ہے کہ اموال و اسبابِ دنیا پر قابض و متصرف لوگوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ جس طرح ہم نے ان اموال کے ذریعے ان کی مدد کی ہے اسی طرح ہم دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ یعنی بلا امتیاز اوروں کی مدد کرنا بھی ہم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ پس کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اوروں تک اس مدد و نصرتِ الٰہی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنے، بلکہ اسے تو محض واسطہ بنایا گیا ہے۔ پس اسے اپنا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے تاکہ ہر ایک کو یہ نعمت برابر پہنچتی رہے۔

دوسری شق کا مفہوم انسانوں کو یہ بتلا رہا ہے کہ تمہارے رب کی عطاء و بخشش کسی کے لئے بھی بند نہیں ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم جو تم نے قائم کر رکھی ہے، جس کا تم برملا اظہار یہ سوچ کر کرتے ہو کہ اللہ نے ہمیں دیا ہے، دوسروں کو محروم رکھا ہے سو ہم انہیں کیوں دیں؟ اس سوچ کا کوئی جواز نہیں۔ اس ناروا طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی عطا کردہ تقسیم ہی فطری تقسیم ہے جو قائم رہنی چاہیے۔ اس طرح معاشرے میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔

ارشادِ ربّانی کہ ’’تمہارے رب کی عطا و بخشش ہر ایک کے لئے ہے اور وہ کسی پر بھی بند نہیں‘‘ ایک عادلانہ معاشرے کے قیام کا ضامن ہے مگر اس کا نظام یہ ہے کہ بعضوں کو آزمانے کے لئے بعضوں کو واسطۂ معاش اور وسیلۂ امداد بنا دیتا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ معاشرے میں محروم اور معاشی تعطل کا شکار نظر آ رہے ہیں تو وہ مشیتِ الٰہی سے نہیں بلکہ اربابِ اقتدار و اختیار کے ظلم و استحصال کے سبب سے ہیں، جو ان کے راستے میں رکاوٹ بن

گئے ہیں۔ پس استحصالی نظامِ معیشت کی اس رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا ہی حقیقت میں مشیّتِ الٰہی ہے اور قرآنی احکامِ انفاق اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اتارے گئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) بھی ملکیتِ اموال کا یہی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

معنی الملک في حق الآدمي کونه أحق بالانتفاع من غیره.(۱)

''انسان کے حق میں ملکیت کا معنی فقط یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کے مقابلے میں فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے زیادہ حق رکھتا ہے۔''

یعنی ملکیت کا معنی و مفہوم فقط یہ ہے کہ مالک کا اس شے سے متمتع ہونے اور نفع اٹھانے کا حق پہلے اور غیر مالک کا بعد میں ہوگا۔ مگر وہ کسی شخص کو نفع اٹھانے سے روک نہیں سکتا، کیونکہ از روئے شرع اس کی حیثیت مالک کی نہیں بلکہ امین اور نائب کی ہے۔

الغرض ان تمام ارشاداتِ قرآنیہ سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسانی ملکیت فقط امانت اور نیابت و خلافت کے حکم میں آتی ہے اور اس کا جواز صرف مقررہ شرائط اور مصالح کے قائم رہنے پر منحصر ہے۔

۸۔ ملکیت میں اِنسان کا اَمانتی کردار

ملکیت کا مسئلہ واضح کرنے کے بعد اسلام نے بنی نوع انسان کو بتایا کہ جملہ تمام اشیاء خواہ وہ خود اس کی جان ہی ہو، مال و املاک، خوراک وغیرہ سب اللہ کی طرف سے عطا کردہ امانتیں ہیں، انسان محض نائب کے طور پر ان اشیاء کے تصرف کا مجاز ہے اور یہ بات واضح رہے کہ نائب کا تصرف انہی حدود و قیود کے اندر اور انہی مقاصد کے تحت ہونا چاہیے جو اس کے مالکِ حقیقی (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کے مقرر کردہ ہیں۔ یعنی نائب کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جن کی نشاندہی مالکِ حقیقی نے کر دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

۱۔ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ.(۱)

’’اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے۔‘‘

۲۔ اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَّاٰتُوۡھُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰـکُمۡ.(۲)

’’اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔‘‘

اسلام نے انسان کی زندگی کا مقصد واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اسے ہر حال اور ہر شعبۂ زندگی میں ’’عبدیت‘‘ کا مظاہرہ کرنا ہے۔ چنانچہ مال و املاک کی ملکیت کو مقصدِ حیات بنانا غلط ہے یہ تو مقصدِ زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حقوق ملکیت کا بے قید ہونا، انانیت، احکامِ خداوندی سے انحراف اور الہامی اوامر ونواہی سے اجتناب شرک کے مترادف ہے اور استکبار کی یہ روش انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) الحدید، ۵۷: ۷

(۲) النور، ۲۴: ۳۳

فصل دوم

زمین اور اُس کی پیداوار میں اَصلاً تمام اِنسانوں کا حق ہے

www.MinhajBooks.com

زمین بلا شبہ قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے جو نہایت فراخی سے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے مگر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر جاگیرداری اور وڈیرا شاہی کا استحصالی زمیندارانہ نظامِ قارونیت اور فرعونیت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ نتیجتاً بڑے بڑے اجارہ دار جو وسیع قطعاتِ اراضی پر جعلی قبضے (Absentee-Landlordism) کے ذریعے قابض ہیں، خود کو سردار، نواب اور وڈیرا کہتے ہیں، اپنے تابع کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں اور ہنرمندوں کو بنگاہِ تحقیر ''کمی'' پکارتے ہیں اور وہ بزعمِ خویش اپنے آپ کو ان کا رازق اور روزی رساں سمجھ بیٹھے ہیں۔

زمین معاشی پیداوار کا بے بہا خزانہ ہے جس میں اصلاً تمام انسانوں کا حقِ معاش برابر ہے۔ مگر جو اس پر شرعاً قابض اور متصرف ہو اور اس میں اپنا سرمایہ یا محنت صرف کرے وہ حقِ انتفاع اور استعمال میں دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے۔ ورنہ اصلاً سب انسان برابر ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''لکم (تم سب کے لیے)'' سے واضح ہے کہ زمین اور اس کے اندر موجود خزانے بنیادی طور پر تمام انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ سو اس حق کو اصولاً کسی خاص طبقے تک محدود کر دینا اور دوسروں کو اس سے محروم رکھنا منشائے ایزدی کے خلاف ہے۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۹

۲۔ دوسرے مقام پر سورۃ الاعراف میں فرمایا:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۱)

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن وتصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو۝‘‘

اس آیت کریمہ میں تمام انسانوں کے لئے زمین کے اندر پائے جانے والے اسبابِ معاش مذکور ہیں اور یہ کہ انہیں زمین پر قابض و متصرف ہونے کا حق دیا گیا ہے

۳۔ تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ (۲)

’’پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالا۝ پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۝ اور انگور اور ترکاری۝ اور زیتون اور کھجور۝ اور گھنے گھنے باغات۝ اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہ۝ خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست)۝‘‘

محولہ بالا آیات میں عموم ملکیت یا عموم انتفاع کا ذکر اشارتاً کیا گیا ہے۔ اب قرآن مجید کا وہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس میں بصراحت تخلیق ارضی کے اندر اصلاً سب کا حق برابر ہونا مذکور ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) عبس، ۸۰: ۲۶۔۳۲

۴۔ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ○(۱)

''اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○''

امام ابن جریر طبری (جامع البيان في تفسير القرآن، ۲۴: ۹۷)، حافظ ابن کثیر نے (تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۹۴) اور زمخشری (الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، ۴: ۹۳) سمیت متعدد مفسرین نے اس کی تصریح کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ زمین، اس کی پیداوار اور اس کے اسبابِ معاش میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر رکھا گیا ہے اور کسی کو بھی دوسرے پر کوئی تفوق اور برتری حاصل نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عہدِ رسالت مآب ﷺ میں اپنی ایک زمین وقف کرنا چاہی جس میں کھجور کے درخت تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک زمین ملی ہے جو بڑی نفیس ہے اور میں وہ خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث ولكن ينفق ثمره فتصدق به عمر.(۲)

(۱) حٰم السجدة، ۴۱: ۱۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب وما للوصي أن يعمل في مال اليتيم وما يأكل منه بقدر عمالته، ۳: ۱۰۱۷، رقم: ۲۶۱۳

’’اصل زمین کو صدقہ کر دو تاکہ نہ اسے فروخت کیا جا سکے نہ ہبہ کی جا سکے اور نہ ورثہ بن سکے البتہ اس کا پھل راہِ خدا میں وقف کر دیا جائے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا۔‘‘

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) ’’حجة الله البالغة‘‘ میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الأرض كلها في الحقيقة بمنزلة المسجد أو رباط جعل وقفا على أبناء السبيل وهم شركاء فيه فيقدم الأسبق فالأسبق.(۱)

’’پوری زمین مسجد اور سرائے کی مانند ہے جو مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے بنائی جاتی ہے اور اس میں سارے لوگ ساجھی دار ہوتے ہیں پس اس کا حق دار جو پہلے سے ہے اس کو (انتفاع کا حق) پہلے ہے (اور بعد والے کو بعد میں)۔‘‘

۱۔ زمین کی تحدید اور تقسیم

زمین کی تحدید کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو لا آخر المسلمين ما حسنة قرية إلا قسمتها بين أهلها كما قسم النبي ﷺ خيبر.(۲)

...... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الوصية، باب الوقف، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ۱۶۳۲

۳۔ ابن خزيمة، كتاب الزكاة، الصحيح، ۴: ۱۱۸، رقم: ۲۴۸۵

۴۔ ابن حبان، الصحيح، كتاب الوقف، ۱۱: ۲۶۴، رقم: ۴۹۰۱

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب أوقاف أصحاب النبي ﷺ وأرض الخراج ومزارعتهم ومعاملتهم، ۲: ۸۲۲، رقم: ۲۲۰۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۲۸۴

’’اگر مجھے آئندہ جو لوگ مسلمان ہوں گے ان کا خیال نہ ہوتا تو میں جس بستی کو فتح کرتا اسے فتح کرنے والوں میں تقسیم کر دیتا جیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو تقسیم فرما دیا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے تقسیم وتحدید اراضی کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ضرورت سے زائد زمین پر حسبِ ضرورت حکومتی تصرف کا حق

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے غیر مزروعہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے عطا فرمائی تھی حالانکہ وہ اس پر رضامند نہ تھے۔اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

إن رسول الله ﷺ لم يقطعك لتحجره عن الناس إنما أقطعك لتعمل، فخذ منها ما قدرت على عمارته ورد الباقي.(۱)

’’یقین جانو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ بلکہ آپ ﷺ نے یہ علاقہ اس لئے عطا فرمایا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس حصے کی آبادکاری تم کر سکتے ہو وہ تم لے لو اور بقیہ واپس کر دو۔‘‘

www.MinhajBooks.com

.... ۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۱۷، رقم: ۱۲۶۰۱
۴۔ أبو داود، المراسيل، ۳: ۱۶۱
(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۶۸، رقم: ۷۱۳
۲۔ قرشي، كتاب الخراج: ۹۳، رقم: ۲۹۴

فصل سوم

جملہ اَموال میں حاجت مندوں کا شرعی حق ہے

www.MinhajBooks.com

اسلامی نظامِ معیشت کا تیسرا بنیادی تصور جملہ اموال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کے حق سے متعلق ہے۔ اسلام نے ہمارے کمائے ہوئے مال میں محروم المعیشت افراد کا باقاعدہ حق رکھ دیا ہے۔ جس کی حیثیت محض اخلاقی اور ترغیبی نہیں، شرعی و وجوبی اور قانونی ہے۔ اس کی ادائیگی محض نفلی نیکی نہیں، فرض ہے جسے پورا نہ کرنا حرام بلکہ جرم ہے۔ اگر اہلِ ثروت از خود حاجت مندوں کے حقوق اپنے مال سے ادا نہ کریں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بذریعہ قانون ان واجب الادا حقوق کی ادائیگی کا جبری اہتمام کرے ورنہ یہ حق تلفی، استحصال اور صریحاً ظلم و زیادتی متصور ہوگی۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۱)

”اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھاo“

۲۔ دوسرے مقام پر اسی حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۲)

”اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo“

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس ضمن میں جس کسی کو بھی اپنے اموال کے منافع میں

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے لئے ایتائے حق (حق ادا کرنے) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن سے ان حقداروں کی قانونی وشرعی حیثیت اجاگر ہوتی ہے جس کی رو سے وہ اسلامی ریاست سے اس حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ. (۱)

''اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔''

اس پر مستزاد یہ کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور قابلِ احترام قرار دیا گیا ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق۔ اس میں مالک کو بلحاظِ مقدار (Quantitatively) ترجیح تو بہرحال حاصل ہے لیکن بلحاظِ معیار (Qualitatively) دینے والے اور لینے والے دونوں برابر کے حقدار ہیں اور شریک فی المنافع (Beneficiary) کا حق کسی لحاظ سے بھی مالک یعنی قابض ومتصرف (Owner) کے حق سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔

۴۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ. (۲)

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔''

یعنی دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶
(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

۱۔ مالِ وراثت میں غرباء کا شرعی حق

قرآن حکیم نے غرباء و مساکین کا حق ہر دوسرے حق پر مقدم رکھا ہے۔ حتی کہ وراثت میں جس پر ورثاء کا مکمل طور پر نجی حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نادار اور غریب لوگوں کو وہاں بھی محروم نہیں رہنے دیا بلکہ ارشاد فرمایا:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo(۱)

”اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہوo“

اس آیت سے دو اصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ یہ کہ اسی مال میں سے یتامیٰ و مساکین (مستحقین) کو دو جو ورثاء میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ورثاء تو بہتر مال لے جائیں لیکن مستحقین کو گھٹیا مال دے دیا جائے۔ یہاں ”منه“ کا مفہوم اور اس حصہ آیت کا افادہ کلام یہی ظاہر کر رہا ہے۔

۲۔ مزید برآں یہ کہ وراثت میں غرباء مستحقین کے حق کا شرعی وجوب بھی ثابت ہو رہا ہے کیونکہ ”فارزقوهم“ امر کا صیغہ ہے یعنی حکم دیا جا رہا ہے کہ مال وراثت میں غرباء اور مساکین کو شریک کیا جائے۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ مالِ وراثت بلا شرکتِ غیر ورثاء کا حق ہوتا ہے لیکن اس میں بھی مستحقین کو شریک کرنے کا حکم ان کے حق کے شرعی وجوب اور اہمیت پر دلالت کر رہا ہے۔ اس امر کی وضاحت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی درج ذیل

(۱) النساء، ۴: ۸

قول سے ہوتی ہے:

أمر الله المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم ويتاماهم ومساكينهم من الوصية فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث.[1]

''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو رشتہ داروں کے ساتھ یتامٰی و مساکین کو بھی وصیت میں شامل کریں اور اگر ان کے حق میں وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر انہیں وراثت میں شریک کیا جائے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ مستحق غرباء و مساکین یعنی ناداروں کو حصہ ملکیتِ وراثت میں سے بہرصورت دیا جائے گا خواہ وہ وصیت کے طور پر ہو یا مالِ وراثت میں سے۔

۲۔ ادائیگی زکوٰۃ سے حکمِ اِنفاق ساقط نہیں ہوتا

اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إن في المال لحقًا سوى الزكاة.[2]

''بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔''

جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اڑھائی فیصد (۲.۵٪) زکوٰۃ ادا کر دینے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مال کا حق ادا ہو گیا بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں سے مستحقین کے

(۱) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۹
۲۔ طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۴: ۲۶۶
۳۔ شافعي، أحكام القرآن، ۱: ۱۴۷

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء أن المال لحقاً سوى الزكاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۵۹
۲۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

ایسے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

مستحقین کے حقوق کی ادائیگی اس قدر اہم ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں اسے نظر انداز کرنے کی صورت میں کوئی بھی عمل عمل صالح نہیں قرار پاتا۔ قرآن مجید اس تصور کی نفی کرتے ہوئے بڑی صراحت کے ساتھ ''نیکی کے تصور'' کو یوں بیان کرتا ہے:

۱۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (۱)

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔''

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس جگہ بھی ''تقویٰ'' اور ''متقین'' کی تعریف بیان کی گئی ہے وہاں ''انفاق فی المال'' کی صفت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس صفت کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ''عین تقویٰ'' یا متقین کا جزو لاینفک معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے ''متقین'' کی اصطلاح اور ان کی تعریف سورۃ البقرۃ کے آغاز میں وارد ہوئی ہے اور اس میں ان کے لئے ''وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' [البقرۃ، ۲: ۳] کی شرط پوری کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی انہیں اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے محتاجوں اور ناداروں کا معاشی تعطل دور کرنے کے لئے خرچ کرنا ہوگا۔ دوسرے مقام پر ایجابی انداز سے برّ (نیکی) کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

۲۔ وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ. (۲)

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

”بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اﷲ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اﷲ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اﷲ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔“

گویا بِرّ، صدق اور تقویٰ تمام تصورات کا تقاضائے اوّلین اسی حق کی ادائیگی ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

۳۔ غرباء کے معاشی حق کی ادائیگی اَصل دین داری ہے

روحِ نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا، ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہو یہی عملاً اصل دین ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُo فَکُّ رَقَبَةٍo اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍo یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍo اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ o ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِo اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِo وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِo(۱)

”اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور

(۱) البلد، ۹۰: ۱۲۔۱۹

بے گھر) ہےo پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیںo یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیںo اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیںo''

مذکورہ بالا آیات نے ''العقبۃ'' (دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ جو شہادت گہِ الفت ہے) کہ عنوان سے جس عمل کا ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ضرورت مندوں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنا ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جدوجہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو ''اصل دیندار اور جنتی'' قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو لادین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

یہ ہے ''اصل دینداری کی قرآنی تعبیر'' جس کو ہم نے اپنے مزعومہ مفادات کی خاطر محض نفل، نیکی اور فعلِ مستحب کے کھاتے میں ڈال کر حقائقِ قرآنی سے صرفِ نظر کر لیا ہے۔

۲۔ اسی طرح قومِ ثمود کی تباہی و ہلاکت کا بیان کرتے ہوئے قرآن مجید ''سورۃ الماعون'' کے مضمون کو پھر دہراتا ہے۔ جس سے ''بے دینی'' کے قرآنی تصور کا اندازہ ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo[1]

---

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔۲۰

’’یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے○ اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو○ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)○ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو○‘‘

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قومِ ثمود کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

۴۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت قرآنی فکر سے متصادم ہے

اسلام میں اہلِ حرفہ اور محنت کش طبقے کو طبقاتی و گروہی کشمکش سے ماوراء، جس قدر بنیادی معاشی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے کسی دوسرے مذہب اور نظام میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں لیکن یہ حقوق اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتے جب تک مسلم معاشرے کو حقیقی طور پر اسلامی خطوط پر استوار نہ کیا جائے۔ پس اسلام کی روح کے مطابق قائم کردہ فلاحی معاشرے میں ہی افلاس و احتیاج، ظلم و زیادتی، استحصال، جہالت و ناخواندگی اور پسماندگی و نکبت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ متداول سرمایہ دارانہ نظام (Capitalistic System) اور اشتراکی نظام (Socialistic System) کی کوئی نوعیت اپنی کسی بھی شکل میں مذکورہ بالا خرابیوں سے عہدہ براء نہیں ہو سکتی۔

یہاں ہم ایک نہایت ہی اہم نکتہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ ثروت، محروم المعیشت افراد کو اپنے مال اور منافع میں شریک کرنے سے اس دلیل کی بناء پر انکار نہیں کر سکتے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہ ہے کہ انہیں محروم رکھا جائے اور وہ مالدار نہ ہوں تو ہم یہ ذمہ داری کیوں نبھائیں؟ قرآن مجید نے اس استدلال کو کافرانہ سوچ گردانتے

ہوئے مسترد کر دیا ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○(۱)

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہوگئے ہو○‘‘

متذکرہ آیت کریمہ نے اس سرمایہ پرستانہ اور کافرانہ ذہنیت کی واضح طور پر نفی کر دی ہے کہ اہلِ ثروت (Haves) اور نادار و مفلس (Have Nots) طبقات خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اور اس کی مشیت بھی یہی ہے کہ اس صورتحال کو جوں کا توں (Status Quo) برقرار رکھا جائے۔ واضح ہو کہ ایسی سوچ قرآن حکیم کے سرچشمۂ ہدایت کا کھلم کھلا انکار ہے۔ قرآن مجید اسے ملحدانہ سوچ اور کافرانہ ذہنیت قرار دے رہا ہے جبکہ الوہی مشیت تو وہی ہے جس کا قرآن مجید میں حکم ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر مستحقین کے حق کی نفی کرنے والوں کی سوچ کو قارون کے استدلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ سب کچھ میرے علم و ہنر کا نتیجہ ہے۔ اس میں کسی اور کا کیا حق ہے؟ قرآن حکیم نے قارونی ذہنیت بیان کی کہ جب قوم نے قارون سے کہا کہ وہ غرور و تکبر کو چھوڑ کر بارگاہِ الوہیت میں جھک جائے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خزانوں میں سے معاشرے کے مستحق افراد کی مدد کرے تو وہ جو کہ سرمایہ و دولت کے نشہ میں بدمست تھا۔ اس نصیحت کے جواب میں کہنے لگا:

(۱) یٰس، ۳۶: ۴۷

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ط اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللهَ قَدْ اَهْلَکَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَکْثَرُ جَمْعًا.(۱)

’’وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے واقعتاً اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو طاقت میں اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور (مال و دولت اور افرادی قوت کے) جمع کرنے میں کہیں زیادہ (آگے) تھیں۔‘‘

ان آیات نے سرمایہ پرستانہ قارونی فکر اور اسلامی فکر میں واضح حدِ فاصل (Line of Distinction) قائم کر دی ہے۔ قارونی فکر، اپنے سرمایہ و دولت کو نہ تو اللہ کی دین تصور کرتی ہے، نہ خود کو نائب و امین سمجھتی ہے اور نہ ہی اس میں دوسروں کے حق کو تسلیم کرتی ہے جسے مستحقین پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو۔

اس کے برعکس اسلامی فکر میں سرمایہ و دولت، انسانی علم کی پیداوار نہیں بلکہ محض اللہ کی دین ہے انسان اس کا مالک نہیں بلکہ محض نائب و امین ہے اور اس میں دوسرے مستحق افراد کا بھی اسی طرح حق ہے جیسے خود مالک کا ہوتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے ایک اور مقام پر یہ پیغام اس قدر بلیغ انداز میں واضح فرمایا ہے کہ اگر اس اُلوہی پیغام کی معنویت اور روح انسان کے قلب و ذہن میں اتر جائے تو مفاد پرستانہ ذہنیت کا کلیتاً خاتمہ ہو جائے گا اور یہ ساری طبقاتی کشمکش اپنی موت مر جائے گی۔ قرآن حکیم نے فرمایا:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَکَّهُوْنَ ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ○

(۱) القصص، ۲۸: ۷۸

اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ○ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ○ لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡ لَا تَشۡكُرُوۡنَ○ اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَ○ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِـُٔوۡنَ○ نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ○ (۱)

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہو○ تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟○ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ○ (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیا○ بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے○ بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو○ کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟○ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟○ بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو○ کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟○ ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت و عبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہے○‘‘

قرآن حکیم کے ان ارشادات اور احکامات کی روشنی میں یہ حقائق واضح ہو جاتے ہیں کہ:

۱۔ جملہ اموال میں تمام بنی آدم کا حق برابری کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔

۲۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس مال کو صرف اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے دوسروں کو اس سے متمتع ہونے سے روک لے۔

---

(۱) الواقعة، ۵۶: ۶۳۔۷۳

فصل چہارُم

اَصل رزق اور بنیادی حق المعاش میں تمام اِنسان برابر ہیں

www.MinhajBooks.com

اسلامی نظامِ معیشت اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ کائنات میں انسان کی معاشی ضروریات کی کفیل اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے اور اسی کے پیدا کردہ اسبابِ معیشت میں ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا مساوی حق حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں اس بات کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا. (۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

۲۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ. (۲)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے۔''

۳۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (۳)

''اور آسمان میں تمہارا رِزق (بھی) ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے''

۴۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ. (۴)

www.MinhajBooks.com

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الذاریات، ۵۱: ۲۲

(۴) الجاثیۃ، ۴۵: ۱۳

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے۔''

۵۔ وَ جَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَ بٰرَکَ فِیۡهَا وَ قَدَّرَ فِیۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ○[1]

''اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○''

مذکورہ بالا اور ایسی کئی دوسری آیات کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(ا) زمین و آسمان میں جو خزانے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہیں اور یہ سب کے لیے ہیں یعنی تمام بنی نوع انسان ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(ب) وسائلِ رزق کسی خاص گروہ یا قوم کے لیے نہیں۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام مقرر کیا ہے کہ حقِ معیشت کے حصول میں کوئی محروم نہ رہے۔

(د) تمام انسان حقِ معیشت میں برابر ہیں۔

(ر) ہر انسان کو اپنی صلاحیت، ضرورت اور خواہش کے مطابق پیشہ اختیار کر کے ان

(۱) حٰم السجدۃ، ۴۱: ۱۰

وسائل سے استفادہ کا حق ہے اور ترقی کرنے کے مواقع سب کے لیے ہیں۔

اصل رزق میں برابری اور درجاتِ رزق میں تفاوت

اسلام نے حقِ معیشت میں ''برابری'' کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کا معنی و مفہوم معاشی مساوات یا معیشت میں برابری نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہو۔ معاشی جدوجہد اور ترقی کے راستے سب کے لیے یکساں ہوں اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کو استعمال کر کے اپنی معیشت میں ترقی کر سکے۔ اسلام دولت کی مساوی تقسیم (Equal Distribution of Wealth) کا قائل نہیں بلکہ دولت کی منصفانہ تقسیم (Equitable Distribution of Wealth) چاہتا ہے۔ محنت، قابلیت، حافظہ، کام کرنے کی اعلیٰ اور جداگانہ اہلیت، طاقت اور صحت وغیرہ یہ سب صلاحیتیں ان کو یکساں نہیں ملتیں اسی لیے دولت کا کسی کے پاس کم یا زیادہ ہونا ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام درجاتِ معیشت اور رزق میں تفاوت کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ یہ ایک فطری عمل اور حقیقت ہے۔ ارشاداتِ قرآنی کی رو سے تمام افراد کو حقِ معیشت یعنی ضروریاتِ زندگی کے مہیا کیے جانے کے بنیادی حق میں برابر رکھا گیا ہے۔ لیکن بنیادی حقِ معیشت کی یہ مساوات رزق میں تفاوت اور کمی بیشی کے تصور کے منافی نہیں لہٰذا قرآن مجید کی ان تمام آیات میں جہاں کسی کو زیادہ اور کسی کو کم رزق عطا کیے جانے کا ذکر ہے وہ بنیادی حقِ معیشت میں مساوات کے تصور سے ہرگز متصادم نہیں اس سے فقط درجاتِ رزق میں تفاوت مراد ہے۔

تفاوتِ معیشت اور رزق میں کمی بیشی میں حکمتِ خداوندی یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اس دنیا کے تقسیمِ کار کے نظام کو اس طرح چلانا پسند فرمایا کہ ہر انسان دوسرے انسان سے وابستہ اور اس کا مددگار ہو اور ایک دوسرے کے کام آئے تاکہ اجتماعی معاشرتی زندگی کا ظہور ہو اور بہترین معاشی نظام قائم رہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ نَحنُ قَسَمنَا بَینَهُم مَّعِیشَتَهُم فِی الحَیٰوةِ الدُّنیَا وَرَفَعنَا بَعضَهُم فَوقَ بَعضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعضُهُم بَعضًا سُخرِیًّا.(۱)

''ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔''

۲۔ وَهُوَ الَّذِی جَعَلَکُم خَلٰٓئِفَ الاَرضِ وَرَفَعَ بَعضَکُم فَوقَ بَعضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبلُوَکُم فِی مَآ اٰتٰـکُم.(۲)

''اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔''

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے انسان کو بھرپور معاشی جدوجہد (Economic Activity) کی تلقین کی اور فیصلہ دیا:

۳۔ وَ اَن لَّیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo(۳)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o''

۴۔ وَلَا تَنسَ نَصِیبَکَ مِنَ الدُّنیَا.(۴)

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲
(۲) الانعام، ۶: ۱۶۵
(۳) النجم، ۵۳: ۳۹
(۴) القصص، ۲۸: ۷۷

’’اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔‘‘

۵۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْکُرُوا اللهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○(۱)

’’پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ○‘‘

۶۔ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۲)

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۷۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْکُرُوْا لَهٗ ط اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○(۳)

’’پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے○‘‘

۸۔ وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ.(۴)

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے۔‘‘

۹۔ اَللهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ.(۵)

’’اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔‘‘

(۱) الجمعه، ۶۲: ۱۰
(۲) المزمل، ۷۳، ۲۰
(۳) العنکبوت، ۲۹: ۱۷
(۴) النحل، ۱۶: ۷۱
(۵) الرعد، ۱۳: ۲۶

۱۰۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (۱)

’’دیکھئے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے۔‘‘

۱۱۔ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۲)

’’اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق (وعطا) سے نوازتا ہے○‘‘

مندرجہ بالا آزمائش یہ جاننے کے لیے ہے کہ انسان حکمِ الٰہی کے مطابق دوسروں کے حق میں اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتا ہے۔ اگر وہ یہ ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ایسے جرم کی سنگینی کے مطابق سزا کا حقدار ہے۔

حاصلِ کلام

اسلامی معاشرے میں جہاں تمام افراد کے لیے بنیادی حقِ معاش میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے وہاں درجاتِ رزق میں تفاوت کا تصور بھی موجود ہے لیکن یہ تفاوت صرف مراتبِ رزق میں روا ہے بنیادی حق میں نہیں۔ تفاوتِ رزق میں یہ تفاوت تقاضائے ربوبیت اور حکمتِ احتسابِ الٰہیہ پر مبنی ہے۔ جبکہ انسانوں کی طرف سے مستحقین کو بنیادی حقِ معیشت سے محروم رکھنا باری تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت اور رحمانیت کے منافی ہے۔ اس لیے اسلام ایسے نظام کو رد کرتا ہے جس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جائے۔

الغرض اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی صورت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجۂ ظلم و استحصال نہ بن سکے یعنی تفاوتِ درجات تو ہو لیکن یہ تفاوت ایسا نہ ہو کہ معیشت انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۱

(۲) النور، ۲۴: ۳۸

فصل ششم

حرام ذرائعِ معیشت کا اِنسداد

www.MinhajBooks.com

اِسلام مال کمانے سے نہیں روکتا لیکن وہ اس ضمن میں انسان کو شترِ بے مہار کی طرح نہیں چھوڑتا بلکہ اکتسابِ مال کے لیے جائز اور ناجائز ذرائع نشاندہی کرتا، وسائل مال میں حلال وحرام میں تمیز کرنے کا سبق دیتا اور حرام سے اجتناب اور حلال کو اپنانے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کسی بھی شخص کو مال کمانے کی غیر مشروط اجازت نہیں دیتا بلکہ اکتسابِ مال کے بعض ذرائع کو جائز قرار دیتا ہے اور بعض کو ناجائز، معاشی معاملات میں جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کی اساس یہ ہے کہ تمام وہ ذرائع جن میں دوسرے شخص کی ضرورت، مجبوری، سادہ لوحی یا ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا دھوکہ دہی یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لیا گیا ہو، وہ تمام وسائل اور ذرائع شریعت میں ممنوع اور خلافِ قانون ہیں۔

اسلام نے اکتسابِ مال کے ان تمام ذرائع کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے جن سے احکامِ خداوندی اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو نیز وہ امور جن سے دوسرے افراد یا من جملہ اجتماعی طور پر پوری قوم وملت، وطنِ عزیز یا معاشرے کو مادی یا اخلاقی نقصان پہنچ سکتا ہو یا ایسے تجارتی طریقے جن سے دوسرے فریق کا استحصال ہو حرام ذرائع معاش کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسلامی نظامِ معیشت میں اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے باب میں جن پابندیوں کی نشاندہی کی ہے وہ اس لئے بھی ہیں کہ یہاں نظامِ معاش کے ساتھ ساتھ معاد اور اخلاق کا عملی تصور بھی موجود ہے۔ یہاں معاشی جدوجہد صرف دنیاوی جاہ و عزت، آرام وسکون یا عیش وعشرت کے لئے نہیں بلکہ اس جدوجہد کے ذریعے آخرت کی تیاری، حصولِ رضائے خداوندی اور پیرویٔ پیغمبرِ

اسلام ﷺ بھی مقصود ہے۔

دینِ اسلام نے جہاں ایک طرف جائز اور حلال ذرائع معیشت کی نشاندہی کی ہے وہاں دوسری طرف ناجائز اور حرام ذرائع معیشت کو واضح طور پر بیان کیا ہے، ذیل میں اہم حرام ذرائع معیشت درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ اَکلِ حرام

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ‌ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا○ (۱)

”اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے○“

۲۔ خیانت

۱۔ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ○** (۲)

”اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (ﷺ) سے (ان کے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب حقیقت) جانتے ہو○“

---

(۱) النساء، ۴: ۲۹

(۲) الانفال، ۸: ۲۷

۲۔ اِنَّ اللهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا.(۱)

’’بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔‘‘

۳۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.(۲)

’’اور جو کوئی (کسی کا حق) چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اسے وہ لانا پڑے گا جو اس نے چھپایا تھا۔‘‘

۳۔ رشوت

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo(۳)

’’اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)o‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ الراشي والمرتشي في النار.(۴)

’’رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا (دونوں) جہنمی ہیں۔‘‘

(۱) النساء، ۴: ۵۸

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۱

(۳) البقرة، ۲: ۱۸۸

(۴) ۱۔ طبراني، المعجم الصغير، ۱: ۵۷، رقم: ۵۸

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۹۶، رقم: ۲۰۲۶

۲۔ ديلمي، الفردوس مأثور الخطاب، ۲: ۲۸۴، رقم: ۳۳۱۴

۲۔ لعنة الله علی الراشي والمرتشي.(۱)

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے (دونوں) پر اللہ کی لعنت ہے۔''

۳۔ لعن الله الراشي والمرتشي.(۲)

''اللہ تعالیٰ نے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔''

۴۔ لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي.(۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔''

۴۔ اُمراء و حکام کو تحائف

کوئی کام کروانے کے لئے امراء و حکام کو تحائف دینا یا ان کا وصول کرنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی درحقیقت رشوت ہی کی ایک شکل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأحکام، باب التلغیظ في الحیف والرشوة، ۲: ۷۷۵، رقم: ۲۳۱۳
۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۸، رقم: ۱۴۶۶۹
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۱۲، رقم: ۶۹۸۴

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۷، رقم: ۹۰۱۱
۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۸، رقم: ۱۴۶۶۸
۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۳: ۳۹۸، رقم: ۹۵۱

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحکم، ۳: ۶۲۳، رقم: ۱۳۳۷
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأقضیه، باب في کراهیة الرشوة، ۳: ۳۰۰، رقم: ۳۵۸۰

سختی سے ناپسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ **الهدايا للأمراء غلول.** (۱)

''امراء کے لئے تحائف خیانت ہیں۔''

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

يا أيها الناس من عمل منكم لنا على عمل فكتمنا منه مخيطاً فما فوقه فهو غل يأتي به يوم القيامة. فقام رجل من الأنصار أسود كأني أنظر إليه، فقال: يا رسول الله! اقبل عني عملک، قال: وما ذاک؟ قال: سمعتک تقول كذا و كذا، قال: و أنا أقول ذلک من استعملناه على عمل فليأت بقليله و كثيره فما أوتي منه أخذه وما نهي عنه انتهى. (۲)

''اے لوگو! تم میں سے کوئی ہمارے کام پر عامل بنایا گیا پھر اس میں سے سوئی یا اس سے اوپر کوئی چیز ہم سے چھپائی تو وہ خائن سے قیامت کے دن وہ لائے گا، ایک سیاہ رنگ والے انصاری صحابی کھڑے ہو کر بولے: یا رسول اللہ! مجھ سے اپنا عمل (نوکری) لے لیجئے۔ فرمایا: کیا ہوا؟ عرض کی کہ میں نے آپ کو یہ یہ کہتے سنا۔ فرمایا: یہ تو میں کہتا ہوں کہ ہم جسے کسی کام پر عامل بنائیں تو وہ تھوڑا اور بہت حاضر کر دے پھر اس سے اسے جو دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔''

www.MinhajBooks.com

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۷، رقم: ۱۴۶۶۵

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأقضيه، باب في هدايا العمال، ۳: ۳۰۰، رقم: ۳۵۸۱

۲۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴: ۵۳، رقم: ۲۳۳۸

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من شفّع لأحد بشفاعة فأهدى له هدية عليها فقبلها فقد أتى باباً عظيماً من أبواب الربا. (۱)

’’جو کسی شخص کی سفارش کر دے پھر اسے وہ اس سفارش پر ہدیہ دے اور وہ اسے قبول کر لے تو وہ سود کے دروازوں میں سے بڑے دروازے پر آ گیا۔‘‘

۵۔ سودی لین دین

۱۔ حرمتِ سود بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ○ (۲)

’’جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الاجاره، باب الهدية لقضاء الحاجة، ۳: ۲۹۱، رقم: ۳۵۴۱

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۶۶، رقم: ۳۹۸۷

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۵

پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے o‘‘

۲۔ یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ o(۱)

’’اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتاo‘‘

۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ o(۲)

’’اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤo‘‘

۴۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ o فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ج وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ ج لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ o(۳)

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو o پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائےo‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۶

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۰

(۳) البقرة، ۲: ۲۷۸۔۲۷۹

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں بھی سود کی حرمت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء.(۱)

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: گناہ میں یہ سب برابر ہیں۔''

۲۔ ایک اور جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الربا سبعون حوبًا أيسرها أن ينكح الرجل أمه.(۲)

''سود کے ستر (۷۰) جز ہیں سب سے کم درجہ کے جز کا گناہ اس قدر ہے جیسے آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔''

قرآن و حدیث میں مذکورہ بالا حرمتِ سود اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ سود ایک بہت بڑی لعنت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اس کے علاوہ سود اپنے اندر اخلاقی، روحانی، معاشرتی اور دیگر بے شمار برائیاں لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام الاقتصاد میں سود حرام ذرائع معاش میں شامل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں نہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۱۵۹۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۴

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۶، رقم: ۲۵۸۴

صرف افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ سود یا سودی کاروبار سے چشم پوشی کریں بلکہ اسلامی ریاست کے حکمران اور مقتدر حضرات اس کے انسداد کے لئے آگے بڑھیں۔ ایسے قوانین اور ان کا سختی سے نفاذ ہو جو سود کی بیخ کنی کر سکیں۔

۶۔ معاشرتی برائیاں

جوا، شراب، دیگر منشیات، اخلاق سوز رقص، گانے، فلمیں، فال گیری وغیرہ جس معاشرے میں مذکورہ بالا برائیاں ہوں وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور بے شمار معاشی برائیاں (Economic Evils) بھی جنم لے لیتی ہیں۔ ایسی تمام برائیوں سے قرآن مجید میں شدت سے منع کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○[1]

”اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سوتم ان سے (کلیتًا) پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ○“

۷۔ قحبہ گری و عصمت فروشی

اسلام نے قحبہ گری و عصمت فروشی کو حرام قرار دیا ہے اس طرح اس سے حاصل کردہ آمدنی بھی حرام ہے۔ قران مجید میں اس کی ممانعت کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ط وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ

(۱) المائدة، ۵: ۹۰

عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○[۱]

''اور ایسے لوگوں کو پاکدامنی اختیار کرنا چاہئے جو نکاح (کی استطاعت) نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے، اور تمہارے زیرِ دست (غلاموں اور باندیوں) میں سے جو مکاتب (کچھ مال کما کر دینے کی شرط پر آزاد) ہونا چاہیں تو انہیں مکاتب (مذکورہ شرط پر آزاد) کر دو اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو، اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے، اور تم اپنی باندیوں کو دنیوی زندگی کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن (یا حفاظتِ نکاح میں) رہنا چاہتی ہیں، اور جو شخص انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور ہو جانے کے بعد (بھی) بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○''

۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ○[۲]

''تم زنا (بدکاری) کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی بری راہ ہے ○''

۸۔ چوری، لوٹ مار، دھوکہ اور ظلم و غصب

یہ بھی سماجی برائیاں ہیں جو کہ کسی بھی معیشت پر منفی اثرات ڈالتی ہیں۔ اسی لئے ان سے حاصل شدہ آمدنی کو حرام قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ ط

(۱) النور، ۲۴: ۳۳

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۲

وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo(۱)

’’اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اس (جرم) کی پاداش میں جو انہوں نے کمایا ہے۔ (یہ) اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا (ہے)، اور اللہ بڑا غالب ہے بڑی حکمت والا ہےo‘‘

۹۔ اخسارِ میزان اور احتکار

ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں اور زیادہ نفع حاصل کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَo الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَo وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَo(۲)

’’بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئےo یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیںo اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیںo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من احتكر فهو خاطئ.(۳)

’’احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرنے والا گنہگار ہے۔‘‘

(۱) المائدة، ۵: ۳۸

(۲) المطففين، ۸۳: ۱۔۳

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، ۳: ۱۲۲۷، رقم: ۱۶۰۵

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۴۴۵، رقم: ۱۰۸۶

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۹، رقم: ۱۰۹۳۰

www.MinhajBooks.com
منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

۱۰۔ گداگری

یہ ایک ایسا فعل ہے جو انسان کو کام چور، معاشی جدوجہد سے دور اور قناعت سے روگردانی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سے اخلاقی، سماجی اور معاشی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں گداگری کی مذمت کی گئی ہے۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں ہے:

۱۔ **اليد العليا خير من اليد السفلى.**(۱)

"اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔"

۲۔ **ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس في وجهه مزعة لحم.**(۲)

"ہمیشہ آدمی لوگوں سے مانگتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کا دن آ جائے گا اور اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔"

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۸، رقم: ۱۳۶۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى وأن اليد العليا هي منفعة وأن اليد السفلى هي الآخذة، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۳

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في الاستعفاف، ۲: ۱۲۲، رقم: ۱۶۴۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثراً، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۰، رقم: ۱۰۴۰

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب المسألة، ۵: ۹۴، رقم: ۲۵۸۵

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

۳۔ لأن يحتزم أحدكم حزمة من حطب فيحملها على ظهره فيبيعها خير له من أن يسأل رجلاً فيعطيه أو يمنعه.[۱]

’’اگر تم میں سے کوئی لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لادے پھر ان کو بیچ دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس بات سے کہ وہ لوگوں سے مانگے، معلوم نہیں کہ وہ دیں یا نہ دیں۔‘‘

مذکورہ بالا اور اس نوع کے دوسرے ذرائع جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں حصول دولت کے حرام ذرائع ہیں جن کا انسداد ضروری ہے ان کے قلع قمع اور حوصلہ شکنی میں فرد اور ریاست دونوں ذمہ دار ہیں۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب کراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۱، رقم: ۱۰۴۲

۲۔ نسائي، السنن، کتاب الزکاۃ، باب المسألة، ۵: ۹۳، رقم: ۲۵۸۴

فصل ہفتم

صرف اور خرچ میں اِعتدال قائم رکھنا شرعی فریضہ ہے

www.MinhajBooks.com

جس طرح ''کسبِ معاش'' میں اسلامی نظامِ معیشت یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ حاصل کردہ شے ''حلال'' ہو ''حرام'' نہ ہو اور ''طیّب'' ہو ''خبیث'' نہ ہو اسی طرح کسبِ معاش کے بعد دوسرا مسئلہ صرف اور خرچ کرنے کا ہے۔ اس باب میں تین مسائل زیرِ بحث آتے ہیں:

۱۔ کیا خرچ کیا جائے؟

۲۔ کس قدر خرچ کیا جائے؟

۳۔ کن مدّات پر خرچ کیا جائے؟

کیا خرچ کیا جائے؟ اس کا جواب تو ابھی کسبِ معاش کی بحث میں دیا جا چکا یعنی ایک شخص نے حلال اور طیّب سے جو کچھ کمایا ہے وہی اس کا سرمایۂ معیشت ہے اور وہی اس قابل ہے کہ زندگی کی نشو ونما میں کام آئے۔

کس قدر خرچ کیا جائے؟ اس دوسرے سوال کا جواب قرآن مجید نے جو دیا ہے۔ وہ دو حصوں میں منقسم ہے جن میں سے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:

۱۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا.[۱]

''کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو۔''

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ.[۲]

---

(۱) الاعراف، ۷: ۳۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

’’اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔‘‘

ان دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ ’’اسراف‘‘ نہ ہو اور دوسری یہ کہ ’’تبذیر‘‘ نہ ہو۔ اسراف اور تبذیر کے باہمی فرق کو اس طرح بھی واضح کیا جا سکتا ہے:

’’خرچ کی مقدار میں حد سے تجاوز کرنا ’’اسراف‘‘ ہے اور یہ ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا ثبوت ہے جو اس کے ذمہ ہیں اور مواقع اخراجات میں حد سے تجاوز کا نام ’’تبذیر‘‘ ہے اور یہ ان مواقع صرف سے نادان بننے کی شہادت ہے جو صحیح اور حق ہیں۔‘‘

الغرض خرچ کرنے میں اسراف اور تبذیر معیشتِ فاسدہ کی علامات ہیں اس لئے ’’اقتصاد‘‘ اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے مثلاً عام حالات میں یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر حاجت براری کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے بلکہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہیے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ جو غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کئے ہیں، اپنی اور اہل و عیال کی حاجات و ضروریات کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کرے نیز اس سے بھی احتراز ہونا چاہیے کہ بخل اور تقتیر کو کام میں لانے اور خود اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے عطائے الٰہی کے باوجود دائرۂ معیشت کو تنگ کرے چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

۱۔ الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة.(۱)

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۸
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰
۴۔ مناوي، فيض القدير، ۳: ۱۸۷
۵۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۱۷۹، رقم: ۴۷۶

''(آمدن وصرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔''

۲۔ **قال رسول الله ﷺ: أمسک علیک بعض مالک فهو خیرلک قلت: فإني أمسک سهمي الذي بخیبر.**(۱)

''(حضرت عبد اللہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے اپنے کل مال کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کر دینے کا ارادہ کیا تو) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے مال میں سے کچھ بچا لو یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ تب میں نے عرض کیا: خیبر (کی زمین) میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچا لیا ہے۔''

۳۔ **(قال رسول الله ﷺ:) أن تدع ورثتک أغنیاء خیر من أن تدعهم عالة یتکففون الناس في أیدیهم.**(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالك، ۴: ۱۶۰۷، رقم: ۴۱۵۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة التوبة، ۵: ۲۸۱، رقم: ۳۱۰۲

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الإیمان والنذور، باب فیمن نذر أن یتصدق بماله، ۳: ۲۴۰، رقم: ۳۳۱۷

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الأیمان والنذور، باب إذا أهدی ماله علی وجه نذر، ۷: ۲۲، رقم: ۳۸۲۴

۵۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۷۴، رقم: ۱۶۳۹۵

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۵۴، رقم: ۱۵۷۷۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۹

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الوصایا، باب ما جاء في الوصیة بالثلث، ۴: ۴۳۰، رقم: ۲۱۱۶

’’(حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں بذریعہ وصیت دے ڈالوں؟) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے ورثاء کو صاحبِ مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں (اس لئے تہائی مال میں وصیت کر دینا کافی ہے)۔‘‘

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًاo (۱)

’’اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہےo‘‘

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

فشرع الله عدل بين الغالي فيه والجافي عنه لا إفراط ولا تفريط. (۲)

’’پس اللہ تعالیٰ نے اس میں غلو کرنے والے اور اس سے اعراض کرنے والے

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، ۶: ۲۴۲، رقم: ۳۶۲۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۳، ۱۷۶، رقم: ۱۴۸۸، ۱۵۲۴

۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۳۳، رقم: ۱۱۴۷

۶۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۶۸، رقم: ۱۲۳۴۵

(۱) الفرقان، ۲۵: ۶۷

(۲) ۱۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۲: ۸۸

۲۔ طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۷

۳۔ سيوطي، تفسير جلالين، ۱: ۴۷۸

کے درمیان عدل قائم کر دیا بغیر افراط و تفریط کے یعنی اس میں نہ افراط رہا اور نہ تفریط۔‘‘

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فخر الدین رازی (۵۴۳۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

ذكر المفسرون في الإسراف والتقتير وجوها (أحدهما) وهو الأقوى أنه تعالى وصفهم بالقصد الذي هو بين الغلو والتقصير. (۱)

’’اسراف و تقتیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہوئے نہ بے جا غلو کرتے ہیں، نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں **وكان بين ذلك قواما** سے مراد عدل اور میانہ روی ہے۔ امام رازی (۵۴۳۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

القوام: العدل بين الشئين لاستقامة الطرفين واعتدالهما. (۲)

’’القوام سے دو چیزوں کے درمیان عدل، دونوں کناروں میں استقامت اور ان میں اعتدال مراد ہے۔‘‘

۲۔ اسی لئے قرآن مجید میں دوسری جگہ تعلیمِ امت کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ. (۳)

’’اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو نہ دو) اور نہ ہی اسے

(۱) رازي، التفسير الكبير، ۲۴: ۱۰۹

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۴: ۱۱۰

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو)۔‘‘

پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مبذر کو شیطان کا ہمسر بنایا اور اسی قسم کی اور بھی آیات ممانعتِ تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

التبذير: إنفاق المال في غير حقه.(۱)

’’حق کے خلاف ہر قسم کے خرچ کا نام ’’تبذیر‘‘ ہے۔‘‘

امام مالک (م ۱۷۹ھ) کہتے ہیں:

التبذير: هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه.(۲)

’’تبذیر یہ ہے کہ آدمی جائز اور حق طریقے سے مال کمائے اور اس کو ناجائز اور ناحق طریقوں سے خرچ کر دے۔‘‘

امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) کہتے ہیں:

التبذير: إنفاق المال في غير حقه، ولا تبذير في عمل الخير.(۳)

’’حق کے خلاف ہر قسم کا خرچ تبذیر کہلاتا ہے لیکن عمل خیر میں کوئی تبذیر نہیں۔‘‘

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أنه قال: أتى رجل من بني تميم إلى رسول الله ﷺ. فقال: يا رسول الله! إني ذو مال كثير وذو أهل وولد وحاضرة فأخبرني كيف أنفق وكيف أصنع؟ فقال رسول الله ﷺ: تخرج الزكاة من مالك فإنها طهرة تطهرك وتصل أقربائك وتعرف حق السائل

(۱) آلوسي، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ۱۵: ۶۳

(۲) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۷

(۳) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۷

والجار والمسكين. فقال: يا رسول اللہ! أقلل لي قال ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًاo[1]﴾ فقال: حسبي يا رسول الله!.[2]

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل وعیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے۔ آپ مجھے یہ بتایئے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور اس معاملے میں کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مال سے پہلے زکوٰۃ نکال اس لئے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلہ رحمی کر اور سائل، مسافر اور مسکین کے حقوق کی ادائیگی کر۔ اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجئے (کہ میں اس کو دستورِ زندگی بنا لوں) تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی: ﴿اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کر اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo﴾ سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ بس یہ میرے لئے کافی ہے۔‘‘

عن أبي الدرداء عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من فقه الرجل رفقه في معيشة.[3]

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۶، رقم: ۱۲۴۱۷

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۳۳۸، رقم: ۸۸۰۲

۳۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۳: ۳۷

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴، رقم: ۲۱۷۴۲

۲۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۷: ۱۲۴، رقم: ۳۴۶۸۸

۳۔ طبراني، مسند الشاميين، ۲: ۳۵۲، رقم: ۱۴۸۲

۴۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۴: ۲، رقم: ۶۰۱۰

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۷۴

’’حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کی دانائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) اختیار کرے۔‘‘

ان تمام حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ نصوص قرآن و حدیث نے ’’معیشت‘‘ میں صرف وخرچ کے متعلق یہ چند باتیں بنیادی طور پر ضروری قرار دی ہیں:

۱۔ صرفِ مال میں نہ ’’اسراف‘‘ درست ہے نہ ’’تبذیر‘‘ اور نہ ’’تقتیر‘‘ اور تینوں الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔

۲۔ میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظامِ معیشت کے لئے ایک ذریعہ۔

۳۔ ’’فرد‘‘ چونکہ جسمِ جماعت کا ایک عضو ہے اس لئے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام ’’انفاق فی سبیل اللہ‘‘ ہے۔

۴۔ انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قوت لا یموت اور ساتر عورت، لباس اور ضرورتِ رہائش کے مطابق مکان، تمام حقوق سے مقدم اور فرضِ اوّلین ہے۔ اس کے بعد دیگر تفاصیل ہیں جن کی اجمالی وضاحت یہ ہے:

(ا) اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ وغیرہ) کا ادا کرنا اس کے ذمے فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق انفرادی حق پر مقدم ہے۔

(ب) صدقات واجبہ کی ادائیگی کے باوجود ’’انفرادی مال‘‘ پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں۔ اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن في المال لحقًا سوى الزكاة. (1)

’’بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔‘‘

مثلاً اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لئے پورا نہ ہو سکے تو ’’خلیفہ‘‘ جبراً اہلِ دولت سے مال حاصل کر کے اس کمی کو پورا کر سکتا ہے اگرچہ وہ اربابِ دولت، صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔ امام ابن حزم بیان کرتے ہیں:

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلك إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة. (2)

’’ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کا مالِ فئی اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا ان (اہلِ حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدرِ ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح

(1) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء أن المال حقاً سوى الزكاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۵۹
۲۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۸۴، رقم: ۷۰۳۴
۴۔ سيوطي، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۱۲۸، رقم: ۱۷۸۹
۵۔ مناوي، فيض القدير، ۲: ۴۷۲

(2) ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۶

جاڑے اور گرمی کا لباس وغیرہ بھی (حاصل کر سکیں) اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘

(ج) عام انسانی حالات میں صدقاتِ نافلہ یعنی ’’حقوقِ ثانوی‘‘ ایسی حالت میں ادا کئے جائیں کہ اپنے اور اہل و عیال کے لئے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تاکہ وہ مفلس و قلاش ہو کر نہ رہ جائیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس کو مستقبل کے لئے اپنے اور اہل و عیال کے لئے کچھ پس انداز کر رکھنا مناسب ہے اس حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے:

خير الصدقة ما كان عن ظهر غنی و ابدأ بمن تعول. (۱)

’’بہترین صدقہ یہ ہے کہ مالداری قائم رہے اور اپنے زیرِ کفالت لوگوں سے ابتداء کرے۔‘‘

(د) خاص انسانی حالات میں ’’ایثار علی النفس‘‘ اولیٰ اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفوس ضبطِ نفس اور صبر کے درجۂ کمال پر فائز ہیں تو انفاق فی سبیل اللہ میں تمام مال کو صرف کر دینا محبوب ہے۔ چنانچہ آیت ﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (۲) کی رُو سے ان کو اگر ذاتی حاجت بھی ہوتی ہے تب بھی وہ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۸، رقم: ۱۳۶۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى وأن اليد العليا هي منفعة وأن اليد السفلى هي الآخذة، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

۳۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۶، رقم: ۱۶۵۱

۴۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴: ۹۶، رقم: ۲۴۳۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۴۹، رقم: ۳۳۶۳

(۲) الحشر، ۵۹: ۹

(صحابہ رضی اللہ عنہم) دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں۔ حدیث ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ میں جب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے بارے میں پوچھا:

فأيها أفضل؟ قال: جُهد من مقل. (۱)

’’(حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا) بہترین صدقہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین صدقہ اسی شخص کا ہے جو قلیل المال ہو کر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے۔‘‘

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک موقعہ پر تمام مال خدا کی راہ میں پیش کر دینا اسی مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔ انفرادی معیشت میں ’’اقتصاد‘‘ (میانہ روی) مطلوب ہے اور ’’اکتناز‘‘ (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے دولت جمع کر کے خزانہ بنانا) اور ’’احتکار‘‘ (ناجائز وسائلِ معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے اور انفرادی دولت، اجتماعی دولت کے لئے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لئے سنگِ راہ۔

نظامِ مصارف کی درجہ بندی

یہ سوال کہ اسلامی نظامِ معیشت میں اخراجات کی صورت کیا ہوں گی؟ انہیں ہم درج ذیل حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(ا) حاجات (Absolute Needs)

ان کے پورا کئے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں۔

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۷۹، رقم: ۲۱۵۹۲

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۷۷، رقم: ۴۷۲۱

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۰، رقم: ۷۵۶۲

۴۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰

۵۔ عسقلاني، فتح الباری، ۳: ۲۹۶،

(۲) ضروریات (Indispensible Necessities)

ان کے بغیر زندگی نہایت تکلیف دہ ہے۔

(۳) تسہیلات (Facilities)

ان سے زندگی کو راحت، سہولت اور آسائش ملتی ہے۔

(۴) تحسینات و تزئینات (Decorationes)

یہ ایسے مصارفِ حیات ہیں جو انسانی زندگی میں محض آسائش اور آرام کا باعث ہوتے ہیں۔ دیگر حقوق ادا کرنے کے بعد ان کا اختیار کرنا مباح ہے۔

(۵) اسرافات و تعیّشات (Luxuries)

اصل صرف جائز ہو اس پر خرچ اتنا زیادہ کرنا کہ ناجائز ہو جائے یعنی ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف کے زمرے میں آتا ہے۔

(۶) تبذیرات (Extravagancies)

یہ محض تعیّشات ہیں اور مال کے غیر شرعی، غیر قانونی و غیر اخلاقی مصرف اس میں آ جاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ معیشت میں جائز و مباح خرچ کی مدات صِرف اوّل الذکر چار صورتیں ہی ہیں جبکہ مؤخر الذکر دو صورتوں میں خرچ کرنا کسی طور پر بھی جائز نہیں ہوگا۔

www.MinhajBooks.com

فصل ہشتم

ہر شہری کے لیے حتی المقدور کسبِ معاش ضروری ہے

www.MinhajBooks.com

اسلام کے دیئے ہوئے تصورِ معیشت کے تحت ہر شخص حتی المقدور کسبِ معاش کا پابند ہے۔ بلا عذرِ شرعی تساہل، غفلت اور کاہلی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جا بجا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور اس امر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی یہ فضیلت اور مقام تب ہی میسر آئے گا جب افرادِ معاشرہ حتی المقدور اپنی تمام تر توانائیوں کو حصولِ رزقِ حلال کے لئے بروئے کار لائیں گے۔ کیونکہ ایک ایسا معاشرہ جہاں تخلیقی سرگرمیوں کے فقدان کے باعث افرادِ معاشرہ عضو معطل بن جائیں، کسی طور ایک فلاحی اور اہلِ انفاق کا معاشرہ نہیں بن سکتا سو ایسے افراد کو اسلامی معاشرہ قطعاً گوارا نہیں کرتا۔ ''کسبِ معیشت'' اور ''ابتغاءِ رزق'' کی اہمیت کو قرآن حکیم نے جا بجا بیان کیا ہے:

۱۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔''

۲۔ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی o(۲)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

(۲) النجم، ۵۳: ۳۹

چاہے کر دے)o‘‘

۳۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ.(۱)

’’بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو۔‘‘

۴۔ وَاٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ.(۲)

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۵۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوۡا مِمَّا فِى الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ o(۳)

’’اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہےo‘‘

۶۔ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ.(۴)

’’مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔‘‘

احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی کسبِ معاش کی اہمیت بیان کی گئی ہے:

www.MinhajBooks.com

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۱۷
(۲) المزمل، ۷۳: ۲۰
(۳) البقرۃ، ۲: ۱۶۸
(۴) النساء، ۴: ۳۲

۱۔ قال رسول الله ﷺ: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة.(۱)

’’رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

۲۔ إن أطیب ما أکلتم من کسبکم.(۲)

’’بے شک سب سے پاکیزہ (رزق) جو تم کھاتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔‘‘

۳۔ لا تناموا عن طلب أرزاقکم فیما بین صلاة الفجر إلی طلوع الشمس.(۳)

’’فجر کی نماز سے لے کر طلوع شمس تک رزق کی جدوجہد کئے بغیر نیند نہ کرو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵

۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱

۳۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱

۴۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام، باب ما جاء أن الوالد یأخذ من مال ولده، ۳: ۶۳۹، رقم: ۱۳۵۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۹۰

۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۷: ۲۹۴، رقم: ۳۶۲۱۳

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۹، رقم: ۶۶۷۸

۵۔ أحمدبن حنبل، المسند، ۶: ۱۶۲، رقم: ۲۵۳۳۵

(۳) ۱۔ دیلمي، الفردوس بماثور الخطاب، ۵: ۳۵، رقم: ۷۳۸۰

۲۔ عجلوني، کشف الخفاء، ۲: ۲۶، رقم: ۱۵۸۸

۳۔ عسقلاني، القول المسدود، ۱: ۶۳

۴۔ إن من الذنوب ذنبًا لا يكفرها إلا الهم في طلب المعيشة.(۱)

''گناہوں میں سے بعض ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلبِ معیشت کی فکر اور جدوجہد ہی سے ہوسکتا ہے۔''

۵۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.(۲)

''تم اپنی روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔''

۶۔ قال رسول الله ﷺ: التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء.(۳)

---

(۱) ۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۴
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۳۸، رقم: ۱۰۲
۳۔ أبونعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۶: ۳۳۵
۴۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۲۹۷، رقم: ۷۸۳
۵۔ عسقلاني، لسان الميزان، ۵: ۱۸۳، رقم: ۶۳۲

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، ۱: ۳۱۳، رقم: ۴۳۱
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴
۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۴، رقم: ۸۹۵
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۷، رقم: ۱۲۳۴
۵۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۴۰۴، رقم: ۶۹۴
۶۔ ديلمي، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۸۰، رقم: ۲۴۳
۷۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحين، ۲: ۷، رقم: ۲۱۴۲
۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۲۹۹، رقم: ۹۶۶
۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۶۵، رقم: ۲۷۴۵

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔‘‘

۷۔ عن النبي ﷺ قال: إن التجار يبعثون يوم القيامة فجارًا إلا من اتقى وبر وصدق.(۱)

’’رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تاجر فاسق و فاجر اٹھیں گے مگر یہ کہ انہوں نے پرہیزگاری، بھلائی اور سچائی سے کاروبار کیا ہو۔‘‘

۸۔ خير الكسب كسب يد العامل إذا نصح.(۲)

’’بہترین کمائی مزدور کے ہاتھ کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔‘‘

۹۔ أعط الأجير أجره قبل أن يجف عرقه.(۳)

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۱۰

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۵۳۸

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۵: ۴۴، رقم: ۴۵۴۰

۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۲۱۹، رقم: ۴۸۴۸

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳۴، رقم: ۸۳۹۳

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۷، رقم: ۱۲۳۶

۳۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱

(۳) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الرهون، باب أجر الأجراء، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۴۴۳

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۱۲: ۳۵، رقم: ۶۶۸۳

۳۔ طبراني، المعجم الصغير، ۱: ۴۳، رقم: ۳۴

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

''مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔''

۱۰۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے غرباء و مساکین کو کسب معاش میں حصہ لینے کی نصیحت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يا معشر الفقراء! ارفعوا رؤوسكم فقد اتضح الطريق. فاستبقوا الخيرات، ولا تكونوا عيالا على المسلمين. (۱)

''اے گروہِ فقراء! اپنے سروں کو اٹھاؤ بے شک تمہارے سامنے ایک واضح راستہ ہے اور نیکیوں کی طرف سبقت لے جاؤ اور دوسرے مسلمانوں پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جاؤ۔''

۱۱۔ دوسرے مقام پر آپ رضی اللہ عنہ نے کسب معاش کی تلقین ان الفاظ میں کی:

لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق، ويقول: اللّهم! ارزقني. وقد علم أن السماء لا تمطر ذهبًا ولا فضة. (۲)

''تم میں سے کوئی شخص طلبِ رزق کے لئے (ہاتھ پر ہاتھ دھر کر) نہ بیٹھا رہے، درآنحالیکہ وہ کہہ رہا ہو: اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما اور وہ جان لے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا۔''

.... ۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۱، رقم: ۱۱۴۳۹

۵۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب ۱: ۱۰۶، رقم: ۳۵۴

(۱) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۱، رقم: ۱۲۱۶

۲۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۲۸۵، رقم: ۱۹۲۱

۳۔ كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

(۲) كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

فصل پنجم

بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت میں تمام انسانوں کو حق المعاش کے مساوی حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس میں بحیثیت انسان مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔ امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

مرّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بباب قوم وعليه سائل يسأل، شيخ كبير ضرير البصر، فضرب عضده من خلفه وقال: من أي أهل الكتاب أنت؟ فقال: يهودي. قال: فما ألجاک إلى ما رأى؟ قال أسئل الجزية والحاجة والسن. قال: فأخذ عمر بيده وذهب إلى منزله فرضخ له بشيء من المنزل. ثم أرسل إلى خازن بيت المال فقال: انظر هذا وضرباءه، فوالله ما أنصفناه أن أكلنا شبيبته ثم نخذله عند الهرم ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ والفقراءهم المسلمون، وهذا من المساكين من أهل الكتاب ووضع عنه الجزية وعن ضربائه. (۱)

’’حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے کسی شخص کے دروازے کے پاس سے گزرے وہاں ایک سائل سوال کر رہا تھا جو نہایت ضعیف اور اندھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بازو پر پیچھے سے مارا اور کہا کہ تم کون سے اہلِ کتاب میں سے ہو؟ اس نے کہا کہ یہودی ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے اس امر پر کس

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۶

نے مجبور کیا جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا کہ میں جزیہ کی ادائیگی، حاجات کی تکمیل اور عمر رسیدگی کی وجہ سے سوال کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنے گھر سے کچھ مال دیا پھر اسے بیت المال کے خازن کی طرف بھیجا اور کہا کہ اسے اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کو دیکھو۔ خدا کی قسم! ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے اس کی جوانی سے تو خوب فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے رسوا کر دیا (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) ﴿بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں﴾ (اور فرمایا:) فقراء سے مراد مسلمان ہیں اور یہ اہلِ کتاب مساکین میں سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اور اس جیسے دیگر کمزور لوگوں سے جزیہ ساقط کر دیا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رعایا کو حق المعاش کی فراہمی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ صاحبانِ اقتدار پر لازم ہے کہ اس امر کا انتظام کریں کہ کوئی بھی شخص حقِ معیشت سے محروم نہ ہو۔ بلکہ ہر فرد کو حصول معیشت کا مساوی حق دیا جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں کو بروئے کار لا کر باعزت اور حلال طریقے سے اپنی روزی کما سکیں۔ نیز اہلِ ثروت پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ضرورت مندوں، غرباء اور محتاجوں کی معاشی ضروریات بدرجہ کفایت پورا کریں تاکہ معاشرے کا کوئی بھی فرد اپنی بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ رہے۔ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اگر معاشرہ میں غریب اور نادار لوگ زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہوں اور دوسری طرف امراء عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہوں تو اسلامی حکومت ان امیر لوگوں سے جبراً مال وصول کر کے غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن مقامات پر اپنے بندوں کو رزق فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں اسلامی ریاست کو اس کی بنیادی ذمہ داری سے آگاہ کیا گیا ہے۔

یہ قرآنی احکام اس منشاء ایزدی کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو پورا کرے کہ ایسا کرنے سے ہی اس کے قیام و بقا کا جواز ہے۔

۱۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا. (۱)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔''

اب اس وعدۂ الٰہی کے بعد اگر کوئی شخص بنیادی حق المعاش سے محروم ہے تو اس کی ذمہ داری براہ راست ریاست اور حکومتِ اسلامی پر عائد ہوتی ہے کیونکہ حقوق اللہ کی تنفیذ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا من جانب اللہ اسلامی ریاست ہی کا حق ہے۔ جیسے حدود کا اجراء، حقوق اللہ میں سے ہے مگر اس کو تعزیری شکل میں ریاست نافذ کرتی ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت میں حکمران اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے۔ جب کوئی اسلامی حکومت خلافتِ الٰہیہ ہونے کے ناتے بندوں سے وہ حقوق حاصل کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں (مثلاً حدود، قصاص، عشر، زکوٰۃ وغیرہ) تو پھر اسے لازماً وہ فرائض بھی ادا کرنا ہوں گے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ پس ''اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر فرد کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا اسلامی ریاست کا فرضِ منصبی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۲۔ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (۲)

(۱) ہود، ۱۱:۶

(۲) العنکبوت، ۲۹:۶۰

’’اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

یہاں بھی ’’یَرْزُقُھَا وَ اِیَّاکُمْ‘‘ کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں جو حق المعاش کی یکساں فراہمی کی ذمہ داری کا واشگاف اعلان کر رہے ہیں۔

۳۔ ایک اور مقام پر ہر فرد کو حق المعاش کی یکساں فراہمی کا وعدہ اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ. (۱)

’’اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اس امر کا اعلان فرما رہے ہیں کہ ہر ایک کو بنیادی طور پر رزق مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہے جس سے یہ امر ثابت ہے کہ باری تعالیٰ ایسے تمام مقاصد، معاشرتی زندگی میں افراد کے قائم کردہ نظام کے ذریعے سے ہی پورا کرنے کا حکم صادر فرما رہا ہے اس لئے کہ یہ عالمِ اسباب ہے اور ’’**نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ**‘‘ کا مفہوم یہی ہے کہ جس طرح تمہارے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے اسی طرح جو تمہارے زیرِ کفالت ہیں ان کے رزق کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے۔

۱۔ بنیادی حق المعاش کیا ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا بنیادی حق المعاش ہے جس کی فراہمی اسلامی معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

۱۔ عن عثمان قال: قال رسول اللہ ﷺ: لیس لابن آدم حق في سوی

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۱

هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز. (۱)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی (یعنی یہ بنیادی حقِ معاش ہے، جب تک یہ ہر ایک کو میسر نہ آ جائے اس سے زائد کا حق کسی کو نہیں)۔“

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حقِ معیشت (ضروریاتِ زندگی) سے زیادہ کو اپنا بنیادی حق سمجھنا اور دوسروں کو محرومی سے دوچار کر کے بھی حقِ معیشت سے زائد تحفظ کا مطالبہ کرنا اسلامی شریعت کے لئے ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ مزید برآں مال واسباب کے باب میں ایسی بنیادی ضروریات کا فراہم کیا جانا لوگوں کا بنیادی حق ہے جسے ہر ایک کو یکساں طور پر ادا کیا جانا چاہیے۔

۲۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی اس بنیادی تصور کی وضاحت کر رہا ہے کہ اگر ایسے حالات ہوں کہ لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں تو مالدار لوگوں کے مال سے غریبوں کا حق زبردستی چھین کر بھی ان کو دیا جا سکتا ہے:

فوالله لو أن الله لم يفرجها ما تركت أهل بيت من المسلمين لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان من الطعام على ما يقيم واحدًا. (۲)

”(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) خدا کی قسم اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۰، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۴۷، رقم: ۷۸۶۷
۳۔ المقدسي، الأحاديث المختاره، ۱: ۴۵۵، رقم: ۳۲۹

(۲) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲
۲۔ تميمي، الجرح والتعديل، ۱: ۱۹۲

گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجین کو اس میں حکماً داخل کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول مبارک بھی ملاحظہ ہو:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين. (۱)

’’اگر مجھے اس امر کا خیال پہلے آجاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لے کر فقراءِ مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔‘‘

۲۔ بنیادی حق المعاش کی مساوی فراہمی کا حکم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی حق المعاش میں مساوات ملحوظ رکھنے کا حکم صادر فرمایا اور محروم المعیشت افراد کی کفالت کا باقاعدہ انتظام بھی فرمایا جس کا اندازہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل. (۲)

(۱) ۱۔ طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۹
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: —

’’جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کی سواری نہیں۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا اور سامان ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کا کھانا نہیں۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے متعدد اصنافِ مال کا ذکر فرمایا۔ صحابہ فرماتے ہیں: حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ زائد از ضرورت کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں ہے۔‘‘

فلیعد به کا انقلابی فلسفہ

مذکورہ حدیث طیبہ میں قابلِ توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں ’’**فلیعد به**‘‘ یعنی لوٹا دو۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ غرباء کو عطا کر دو۔ دینے اور لوٹانے میں بڑا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ذاتی حق میں سے کسی کو کچھ دے دیں تو یہ عطا ہو گی لیکن اگر معاشرے کے ظالمانہ استحصالی نظام کے تحت کسی غریب کا حق بھی آپ نے سلب کر کے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور آپ اسے اس کے حقیقی حقدار تک پہنچا دیں تو یہ دینا نہیں بلکہ لوٹانا ہو گا۔

۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے تو آپ ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا:

من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وفي بيته منه شيء.(۱)

.... ۱۲۶۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۱

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۴: ۲۰۰، رقم: ۶۴۹۰

۶۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۳۸۳، رقم: ۱۲۸۳

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

''تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو وہ تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر میں گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح عمل کیا اور گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے بانٹ دیا۔ اگلے سال بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور عرض کیا:

يا رسول الله! نفعل كما فعلنا عام الماضي قال: كلوا وأطعموا وادّخروا فإن ذلك العام كان بالناس جهد فاردت أن تعينوا فيها.(۱)

.... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبيان نسخه وإباحة إلى متى شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۹۲

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۵: ۸۲، رقم: ۷۸۲۸

۶۔ ابن حزم، المحلى، ۷: ۳۸۳، رقم: ۹۸۵

۷۔ شوكاني، نيل الأوطار شرح منتقي الأخبار، ۵: ۲۱۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضحى، باب بيان ما كان النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبيان نسخه وإباحة إلى متى شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۹۲، رقم: ۱۹۲۱۸

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۵: ۸۲، رقم: ۷۸۲۸

’’یا رسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح (سارا گوشت تقسیم) کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس سال کھاؤ، کھلاؤ اور (حسبِ ضرورت) بچا کر بھی رکھو۔ پچھلے سال لوگ پریشان حال تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔‘‘

۳۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اپنا باغ اپنے مستحق رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا:

فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه. (۱)

’’پس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔‘‘

آج ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں مال اور رزق کی تقسیم کا عادلانہ نظام انسان کی پیدا کردہ ناہمواریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ نانِ شبینہ جیسی بنیادی

.... ٦۔ ابن حزم، المحلی، ٧: ٣٨٣، رقم: ٩٨٥

٧۔ شوکاني، نيل الأوطار شرح منتقي الأخبار، ٥: ٢١٨

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، ٢: ٥٣٠، رقم: ١٣٩٢

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقاربين والزوج والأولاد والوالدين ولو كانوا مشركين، ٢: ٦٩٣، رقم: ٩٩٨

٣۔ مالك، الموطأ، كتاب الصدقة، باب الترغيب في الصدقة، ٢: ٩٩٥، رقم: ١٨٠٧

٤۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ١٤١، رقم: ١٢٤٦١

٥۔ ابن حبان، الصحيح، ١٦: ١٥٠، رقم: ٧١٨٢

٦۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ١٦٤، رقم: ١١٧٠٠

ضرورتِ زندگی کو ترس گئے ہیں اور کچھ لوگ وسائلِ رزق پر قابض ہونے کے باعث پُرتعیش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر کا حق المعاش عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر اسلامی استحصالی اور ظالمانہ نظام نے معاشرے کے بعض افراد کا حق چھین کر جن متمول صاحبِ ثروت افراد کی جھولی میں ڈال دیا ہے ان سے واپس لے کر معاشرے کے محروم المعیشت اور مفلوج الحال لوگوں کو دلایا جائے اور ایسا کرتے ہوئے اگر طاقت کا استعمال بھی ناگزیر ہو تو دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی اسلامی ریاست کو یہ اہتمام کرنا چاہئے کہ ہر صاحبِ ثروت از خود ان کا یہ حق ادا کر دے یا حکومت بذریعہ حکم اس سے لے کر اصل حقدار کو لوٹا دے۔

۳۔ حق المعاش کی فراہمی تقاضائے ایمان ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس المؤمن الذي یشبع وجاره جائع.(۱)

”وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔“

اس حدیث مبارکہ کی رو سے بنیادی ضروریات کا ہر فردِ معاشرہ کو بہم پہنچانا شرطِ ایمان قرار دیا گیا ہے اور کم سے کم ذمہ داری ہر ایک پڑوسی کی دوسرے پڑوسی کے حوالے سے یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کسی بنیادی ضرورت سے محروم نہ رہے۔ چونکہ تمام افرادِ معاشرہ

(۱) ۱۔ بیہقي، السنن الکبری، ۱۰: ۳
۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۱۸۴، رقم: ۷۳۰۷
۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۱: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱
۴۔ أبو یعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹
۵۔ ابن حمید، المسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ٦۹۴
٦۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱٦۷

ایک دوسرے کے ساتھ پڑوسی کے رشتے میں منسلک ہیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری پورے معاشرے کی ہے کہ اپنے کسی فرد کو بھی بنیادی حق المعاش سے محروم نہ رہنے دے۔ اسلامی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی تنفیذ کا اہتمام کرے۔

۴۔ معاشی مساوات اور نیک حکمران

حضور نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت کے آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والے ایک صالح حکمران (حضرت امام مہدی) کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگوں میں معاشی مساوات قائم کرے گا۔

ا۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: أبشركم بالمهدي يبعث في أمتي على اختلاف من الناس وزلازل فيملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت جوراً وظلماً يرضى عنه ساكن السماء وساكن الأرض يقسم المال صحاحاً. قال له رجل: ما صحاحاً؟ قال: بالسوية بين الناس ويملأ الله قلوب أمة محمد ﷺ غنى فلا يحتاج أحد إلى أحد.[۱]

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں امام مہدی کی بشارت دیتا ہوں وہ ایسے دور میں مبعوث ہوں گے جب لوگ باہم اختلاف کا شکار ہوں گے اور وہ زمین میں عدل و انصاف قائم کریں گے جیسا کہ پہلے ظلم جاری ہوگا۔ زمین و آسمان کے

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۵۰۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۷، رقم: ۱۱۳۴۴
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۳۱۳

ساکنین ان سے خوش ہوں گے۔ وہ صحیح طریقہ پر مال تقسیم کریں گے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا: وہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کریں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں کو استغناء سے مالا مال کر دے گا اور کوئی کسی کا محتاج نہ ہوگا۔‘‘

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دولت کی برابر تقسیم نہ تو عملاً ممکن ہے اور نہ شرعاً اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس ’’تقسیم‘‘ سے مراد بنیادی ضروریات کی مساوی تقسیم ہی ہوسکتی ہے کہ بنیادی معاش ہر ایک میں اس طرح برابر تقسیم ہو گا کہ معاشرے میں معاشی تعطل نہ رہے اور کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہنے پائے گا۔

۲۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مال و دولت کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے دو بنیادی باتوں کا خیال رکھنے کی ہدایت دی:

أربع من عمل بهن استوجب العدل الأمانة في المال والتسوية في القسم والوفاء بالعدة والخروج من العيوب. [1]

’’چار امور کو ان کے لئے لازمی قرار دیا گیا: مالی معاملات میں عدل و انصاف پر مبنی امانت داری، تقسیمِ اموال میں برابری، ایفائے عہد اور عیبوں کو ترک کرنا۔‘‘

یہاں بھی ’’التسویہ‘‘ سے مراد حق المعاش کی برابری ہے۔ جو معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی ضروریات اور حاجات مساوی طور پر ادا کرنے کی ضامن ہو۔

۵۔ موجودہ حالات میں سنگین معاشی صورت حال اور اس کا تدارک

آج کوئی شخص کیا یہ بات کہہ سکتا ہے کہ معاشرے میں کوئی شخص بھوک سے نہیں مرتا حالانکہ معیشت کی بنیاد غیر عادلانہ معاشی نظام پر استوار کی گئی ہے۔ جب ہر شخص کو

(۱) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۴۹۰

بنیادی حق المعاش بہرحال میسر ہے تو ایسے میں دولت کی مساوی تقسیم پر اس قدر زور اور اصرار کیوں؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ اگر آج آپ کو کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرتا دکھائی نہیں دیتا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو معاشرے نے حق المعاش دے دیا ہے اور وہ معاشی جبر کا شکار نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے ظلم و استحصال اور اربابِ اقتدار کے ظالمانہ رویئے سے مایوس ہو کر لوگوں نے اپنی جان اور تن کا رشتہ برقرار رکھنے کی خاطر ضمیر فروخت کرنا شروع کر دیئے ہیں اور وہ بھوک سے مرنے کی بجائے انسانی وقار سے محروم ہو کر اور حرام کھا کر زندہ رہنا سیکھ چکے ہیں۔

یہ بات طے ہے کہ اگر خودکشی کی حرام موت مرنے والے معاشرے کے مجبور اور نادار لوگوں نے حالات سے سمجھوتا نہ کر لیا ہوتا، وہ محض رزقِ حلال پر اکتفاء کرنے والے ہوتے اور رشوت اور دیگر ناجائز ذرائع سے اولاد کے پیٹ میں رزقِ حرام نہ ڈالتے، دھوکہ دہی اور لوٹ کھسوٹ سے اہلِ خانہ کی معاشی ضروریات پوری نہ کرتے تو ہم دیکھتے کہ ان لوگوں کے لئے عزت و توقیر سے زندہ رہنا تقریباً ناممکن ہوتا۔ معاشی انحطاط سے ہمارے معاشرے کو اس نوبت تک پہنچا دیا ہے کہ رزقِ حرام سے منہ موڑ کر ہزاروں لوگ بھوک سے مر رہے ہوتے اور سینکڑوں جنازے صبح و شام سڑکوں پر اٹھتے دکھائی دیتے۔

وائے افسوس کہ موت کے بھیانک تصور سے گھبرا کر اکثر لوگوں نے مجبوراً اپنے ضمیر کا سودا کر لیا ہے۔ سفید پوشی کی حالت میں موت کے خوف سے مجبور و مقہور لوگوں نے اپنی عصمت اور ایمان فروخت کرنا قبول کر لیا ہے اور لاکھوں لوگ بھکاری بن کر زندگی کے شب و روز گزار رہے ہیں۔ لہٰذا آج ہمیں ضمیر کے ہاتھوں صبح و شام معاشی قتل ہونے والے لاکھوں انسانوں کا خون معاشرے کے ہاتھ پر دکھائی نہیں دیتا اور ہم اپنے دل کو یہ تسلی دیئے ہوئے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش کے ماحول میں کوئی شخص بھوک سے مرنے والا

موجود نہیں۔

یہ حالت تو ان لوگوں کی ہے جن کے پاس ایسے اختیارات اور وسائل موجود ہیں کہ وہ رزقِ حرام حاصل کر لیتے ہیں، اس وقت حالت اس سے بھی بدتر ہو چکی ہے، اب تو بے روزگاری، غربت اور مہنگائی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آئے روز اخبارات میں خودکشیوں اور خودسوزیوں کی خبریں چھپ رہی ہیں۔

اس ناگفتہ بہ گھمبیر صورتحال کے ازالہ کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں بنیادی حق المعاش کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے جس کے نتیجے میں کوئی بھی شخص محروم المعاش نہ رہے اور نہ کوئی معاشی تعطل کے ہاتھوں حرام ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو۔

٦۔ قرض چھوڑ کر مرنے والے کی ریاست پر ذمہ داری

زندگی میں بنیادی ضرورت کی فراہمی کی طرح اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مر جائے اور اس کے ورثاء قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے ادا کرنا بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے:

أنا أولی بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک دينًا فعليّ قضاؤه ومن ترک مالا فلورثته.(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الکفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة علی الماوردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰ ۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۸۴۷

۵۔ بيهقي، السنن الکبری، ۷: ۵۳، رقم: ۱۳۱۲۳

''میں اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے قریب تر ہوں اہلِ ایمان میں سے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہے اور جو مال وہ چھوڑ کر مر جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔''

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کو کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و عمل سے ان کا وجوب اور لزوم بطریقِ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتصادی اصلاحات کی چند مثالیں

۱۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خزانہ (بیت المال) کے مصارف کے بارے میں حکومتی سطح پر حکمِ اقتصاد پر بڑی سختی سے عمل درآمد کرایا اور سرکاری سطح پر ہر قسم کے اسراف کو ختم کر دیا کیونکہ اس کے بغیر عوام کو صرفِ مال کے بارے میں اقتصاد کا عامل نہیں بنایا جا سکتا۔ اس باب میں امام بخاری روایت کرتے ہیں:

إن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله أن لا تطيلوا بناءكم فإنه من شر أيامكم. (۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت کے امراء اور افسروں کو یہ تحریری ہدایت جاری فرمائی کہ وہ اپنی رہائش گاہیں بلند و بالا نہ بنائیں کہ ایسا عمل بدترین دور کی علامت ہے۔''

۲۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور حکمنامہ (Directive) تمام حکام اور افسران کے

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۶۱، رقم: ۴۵۲
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۸: ۴۸۶
۳۔ مزي، تهذيب الکمال، ۳۵: ۳۶۹، رقم: ۷۹۸۸
۴۔ عسقلاني، تهذيب تهذيب، ۱۲: ۴۹۹، رقم: ۲۹۵۸

نام جاری فرمایا۔ اس حکم نامہ میں درج ذیل نکات (Points) شامل تھے:

۱۔ أن لا یأکل نقیاً

''کہ وہ غیر معمولی کھانے نہ کھائیں''

۲۔ ولا یلبس ثوباً رقیقاً

''اور نہ اعلیٰ، زیادہ قیمتی اور نفیس کپڑا پہنیں''

۳۔ ولا یرکب برذوناً

''اور نہ ہی اعلیٰ گھوڑوں (سواریوں) پر سواری کریں''

۴۔ ولا یغلق بابه دون حوائج الناس.[1]

''اور ضرورت مندوں کے لئے اپنا دروازہ بند نہ کرے۔''

۳۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکمرانوں کو قیمتی لباس پہننے سے منع فرمایا۔ اگر کوئی افسر قیمتی لباس پہنتا تو آپ رضی اللہ عنہ اسے سزا دیتے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ آپ کا ایک اعلیٰ افسر عیاض بن غنم قیمتی لباس پہنتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ایلچی محمد بن مسلمہ کو بھیجا اور اسے فوراً طلب فرمایا۔ ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) آپ رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ائتني به علی الحال التي تجده علیها. قال: فأتاه فوجد علی به حاجبًا فإذا علیه قمیص رقیق. قال: أجب أمیر المؤمنین. فقال:

(۱) ۱۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۶: ۴۶۱، رقم: ۳۲۹۲۰
۲۔ طبري، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۵۶۹
۳۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۵
۴۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۲۴، رقم: ۷۳۹۴

دعني أطرح علي قبائي. فقال: لا، إلا علی حالک هذه. قال: فقدم به عليه، فلما رآه عمر قال: انزع قميصک ودعا بمدرعة صوف وبريضة من غنم وعصا فقال: البس هذه المدرعة وخذ هذه العصا وارع هذه الغنم.(۱)

''اس (عیاض بن غنم) کو جس حال میں پاؤ اسی حالت میں میرے پاس لے آؤ۔ راوی کہتا ہے: محمد بن مسلمہ نے اس حال میں پایا کہ وہ پردہ گرائے ہوئے تھا اور قیمتی قمیص پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین (کے بلاوے کا) جواب دو (یعنی امیر المومنین نے بلایا ہے) تو اس نے کہا کہ ٹھہرو میں اپنی قبا پہن لوں۔ اس (محمد بن مسلمہ) نے کہا: نہیں بلکہ اسی حال میں ہی (بلایا ہے) راوی کہتا ہے: وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو فرمایا: اپنی قمیص اتار دے اور صوف کا ایک جبہ، بھیڑوں کا ایک ریوڑ اور ایک چھڑی منگوائی اور (اس سے) کہا کہ یہ جبہ پہن اور یہ چھڑی لے اور ان بھیڑوں کو چرا۔''

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں والیٔ کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے رہنے کے لئے ایک محل بنوایا اور اس میں شاندار پھاٹک لگوایا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایلچی محمد بن مسلم کو بھیج کر اسے آگ لگوادی۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:

فأحرق الباب.(۲)

''پس (محمد بن مسلم نے حضرت سعد کے محل کا) دروازہ جلا دیا۔''

۵۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غریبوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۶
(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵۴، رقم: ۳۹۰

يا معشر الفقراء! ارفعوا رؤوسكم فقد اتضح الطريق. فاستبقوا الخيرات، ولا تكونوا عيالا على المسلمين. (۱)

’’اے گروہِ فقراء! اپنے سروں کو اٹھاؤ بے شک تمہارے سامنے ایک واضح راستہ ہے اور نیکیوں کی طرف سبقت لے جاؤ اور دوسرے مسلمانوں پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جاؤ۔‘‘

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق، ويقول: اللّهم! ارزقني. وقد علم أن السماء لا تمطر ذهبًا ولا فضة. (۲)

’’تم میں سے کوئی شخص طلبِ رزق کے لئے (ہاتھ پر ہاتھ دھر کر) نہ بیٹھا رہے، درآنحالیکہ وہ کہہ رہا ہو: اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما اور وہ جان لے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا۔‘‘

الغرض اپنی دور رس حکمتِ عملیوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ریاست میں ایسا عظیم اقتصادی و معاشرتی نظام قائم فرمایا جس سے معاشرے میں ہر سطح پر ظلم و جبر اور تعیش پرستی کا کلیتًا خاتمہ ہوگیا اور ایک صحیح اسلامی فلاحی ریاست معرضِ وجود میں آ گئی، تاریخ جس کی مثال آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ بیہقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۱، رقم: ۱۲۱۶

۲۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۲۸۵، رقم: ۱۹۲۱

۳۔ کتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

(۲) کتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

فصل نہم

کفالتِ عامہ کے نظام کا اِجراء و تنفیذ ریاست کا فریضہ ہے

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

قرآن مجید کے حکم ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾[1] کا اہم ترین عنصر معاشی زندگی میں امدادِ باہمی ہے جو کفالتِ عامہ کے نظام پر منتج ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست مدینہ کے قیام کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ کا پہلا قدم ہی یہی اٹھایا جو تاریخ میں ''مواخاتِ مدینہ'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حدود و تعزیرات یا دیگر بہت سے اسلامی احکام کا اِجراء عمل میں نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ سود اور بہت سے دیگر محرمات کی نہی کا بھی اجراء نہ ہوا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شریعت، اسلامی انقلاب کا آغاز معاشرے میں سزاؤں کے نفاذ سے نہیں کرتی۔ سزاؤں کے نفاذ کا مرحلہ بعد میں ہے کیونکہ سزائیں احکامِ وضعی (Declaratory Laws) ہیں تکلیفی (Primary) نہیں، اس لئے یہ مقصود بالذات بھی نہیں ہیں۔ اصل مقصود تو معاشرے کے غیر اسلامی استحصالی اور فاسقانہ ڈھانچے کو بدلنا اور افرادِ معاشرہ کے فکر و عمل کی سمتوں کو از سرِ نو متعین کرنا ہے اس اہتمام کے ساتھ کہ بعد میں اگر کوئی ان اسلامی معاشرتی قدروں کو پامال کرنا چاہے تو اسے سزا کے ذریعے روکا جا سکے۔

امدادِ باہمی اور کفالتِ عامہ کے تصور کے تحت اسلام نے پورے معاشرے اور اس کے حوالے سے یہ ریاست کی ذمہ داری قرار دی ہے کہ جو افراد محض اپنے وسائل سے اپنی جائز ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتے ان کا بوجھ معاشرہ ان کے ساتھ مل کر اٹھائے۔

۱۔ اس کی ایک مثال حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل ہے:

كان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.[2]

---

(۱) المائدة، ۵: ۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ——

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کھانا تناول نہیں فرماتے تھے جب تک کوئی حاجت مند آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔‘‘

۲۔ یہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، ومن كان عنده طعام أربعة فليذهب بخامس أو سادس.(۱)

’’جس شخص کے پاس دو نفوس کا کھانا ہے وہ تیسرے کو ساتھ ملا لے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچویں یا چھٹے کو ساتھ ملا لے۔‘‘

۳۔ بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اصول وضع فرمایا:

طعام الواحد يكفي الاثنين وطعام الاثنين يكفي الأربعة وطعام الأربعة يكفي الثمانية.(۲)

...... ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۲، رقم: ۵۶۲۹

۳۔ أبو عوانة، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷

۳۔ أبو عوانة، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۳۰۵۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۷، رقم: ۱۷۰۴

۵۔ أبو عوانة، المسند، ۵: ۲۰۴، رقم: ۸۳۹۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، ۵: ——

’’ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہے اور دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہے۔‘‘

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایامِ قحط میں دعا فرمائی اور قحط رفع ہو گیا اور بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فواللہ لو أن اللہ لم یفرجھا ما ترکت أھل بیت من المسلمین لھم سعة إلا أدخلت معھم أعدادھم من الفقراء فلم یکن اثنان یھلکان من الطعام علی ما یقیم واحدًا. (۱)

’’خدا کی قسم اگر مالی تنگی کا یہ دور ختم نہ ہوتا تو میں مسلمانوں کا کوئی ایک گھر بھی ایسا نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہو مگر یہ کہ اس کے افراد کو گن کر اتنے ہی ضرورت مندوں کو حکماً اس میں داخل کر دیتا تاکہ وہ ان کے کھانوں میں شریک

...... ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب فضیلة المواساة في الطعام القلیل وأن طعام الاثنین یکفي الثلاثة ونحو ذلك، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الأطعمة، باب ما جاء في طعام الواحد یکفي الاثنین، ۴: ۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأطعمة، باب طعام الواحد یکفي الاثنین، ۲: ۱۰۸۴، رقم: ۳۲۵۴

۵۔ دارمي، السنن، ۲: ۱۳۶، رقم: ۲۰۴۴

۶۔ بزار، المسند، ۱: ۲۴۰، رقم: ۱۷۷

۷۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵۹، رقم: ۷۴۴۴

۸۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۸

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ تمیمي، الجرح التعدیل، ۱: ۱۹۲

ہوں کیونکہ ایک شخص کا کھانا دو کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا ہے۔‘‘

۵۔ یہ سب آ ثار و نظائر اس تصورِ کفالت کی تفصیلات و توضیحات ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے عہدِ مبارک کے ایک قبیلے کی اس خصوصیت کا بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے کہ جب ان میں سے بعض کے پاس سامانِ خورد ونوش اور اسبابِ معیشت ختم ہو جاتے تو پھر ان کا معمول یہ ہوتا:

جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في أناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم. (۱)

’’ان میں سے جس جس کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں اور ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ پس ان کے اسی عملی ایثار کے باعث میں ان کو اپنے میں سے اور خود کو ان میں سے تصور کرتا ہوں۔‘‘

۶۔ مزید برآں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت سے بھی اسی تصورِ معیشت کی تائید ہوتی ہے، جس کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له. ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له. قال: فذكر من أصناف

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين رضي الله عنهم، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۳۲

۴۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۱: ۲۳۲، رقم: ۸۸۸

المال ما ذكر، حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.[(۱)]

”تم میں جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زاد راہ ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں رہا۔“

یہ حدیث ان حالات کی نشان دہی کر رہی ہے جب ﴿یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ﴾[(۲)] (آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ فرمادیجئے جو کچھ تمہاری ضرورتوں سے زائد ہے، حق داروں پر خرچ کر دو) کے قرآنی حکم کا نفاذ معاشی حالات کی سنگینی کے خاتمہ کے لئے واجب ہو جاتا ہے۔ انفاق کا عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ تصورِ معیشت میں کس قدر موجزن تھا اس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں قدم قدم پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ایک جھلک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بھی آشکار ہوتی ہے۔ جب آپ نے ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾[(۳)] (تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو) کی قرآنی ترغیب پر اپنی سب سے بڑی اور قیمتی جائیداد مستحق اعزہ و اقارب میں تقسیم کر دی جس کی شہادت ”صحیح بخاری“ کے الفاظ یوں فراہم کر رہے ہیں:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۶۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۳) آل عمران، ۳: ۹۲

۷۔ فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه. (۱)

''حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے (اپنے محبوب ترین مال کو) اپنے چچا زاد بھائیوں اور (دیگر قریبی) رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔''

۸۔ اسی کی ایک مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل انفاق میں دکھائی دیتی ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کے موقع پر راہِ خدا میں سب کچھ لٹا چکے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

ما أبقيت لأهلک؟

''(اے ابوبکر!) اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

أبقيت لهم الله ورسوله. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الزکاة علی الأقاب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب الأشربة، باب استعذاب الماء، ۵: ۲۱۲۸

۳۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة والصدقة علی الأقربين والزوج الأولاد والوالدين ولو کانوا مشرکين، ۲: ۶۹۳، رقم: ۹۹۸

۴۔ مالك، الموطأ، کتاب الصدقة، باب الترغيب في الصدقة، ۲: ۹۹۵، رقم: ۱۸۰۷

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۱، رقم: ۱۲۴۶۱

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب في مناقب أبي بکر وعمر رضي الله عنهما کليهما، ۵: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب في الرخصة في ذلك، ۲: ۱۲۹، رقم: ۱۶۷۸

’’(یا رسول اللہ!) ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔‘‘

۹۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ ارشادات اس تصور کی ریاستی سطح پر اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہیں:

فمن توفی من المؤمنين فترک ديناً فعليّ قضاءه ومن ترک مالاً فلورثته. (۱)

’’اہلِ ایمان میں سے جو شخص اپنے ذمے قرض چھوڑ کر مرے اس کی ادائیگی مجھ پر لازم ہے اور جو مال و دولت چھوڑ کر مرے گا اس پر ورثاء کا حق ہے۔‘‘

۱۰۔ لوکان لي مثل أحد ذهبًا لسرني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين. (۲)

.... ۳۔ دارمی، السنن، ۱:۴۸۰، رقم:۱۶۶۰

۴۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۱:۱۷۳، رقم:۸۱

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الكفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الماوردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الفرائض، باب في ميراث ذوي الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰

۵۔ عبدالرزاق، المصنف، ۸: ۲۸۹، رقم: ۱۵۲۵۷

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۳

۷۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۴۱، رقم: ۲۵۹۴

۸۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۳۳۳، رقم: ۳۰۶۳

۹۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۵۳، رقم: ۱۳۱۲۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ: ما يسرني أن ـــــ

’’اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میری خوشی اس میں ہے کہ تین راتیں گزرنے سے بھی پہلے میرے پاس کچھ نہ بچے سوائے اس قدر مال کے جسے میں ادائیگی قرض کے لئے بچا رکھوں۔‘‘

۱۱۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ تصورِ امت کو صرف بصورتِ تعلیم ہی نہیں دیا بلکہ اس کی عملی شکل اپنے نمونۂ حیات سے مہیا فرما دی تھی۔ امام ترمذی کا روایت کردہ یہ واقعہ اس حقیقت کی توضیح کے لئے کافی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) درہم کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں چٹائی پر ڈال دیا اور تمام کی تمام رقم حاجت مندوں میں تقسیم فرما دی۔ بعد ازاں ایک ضرورت مند نے آ کر سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما عندي شيء ولكن ابتع عليّ فإذا جاءني شيء قضيته.(۱)

...... عندي مثل أحد هذا ذهباً، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض، باب أداء الديون، ۲: ۸۴۲، رقم: ۲۲۵۹

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب تغليظ العقوبة من لا يؤدي الزكاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۶، رقم: ۸۱۸۰

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۹، رقم: ۳۲۱۴

۶۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۳۵۴، رقم: ۱۰۷۳۸

۷۔ هيثمي، موارد الظمآن، ۱: ۳۲، رقم: ۱۰

۸۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۳۹

(۱) ۱۔ ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴، رقم: ۳۵۶

۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۱: ۱۸۱، رقم: ۸۸

۳۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱: ۲۵۲

۴۔ قاضي عياض، الشفاء بتعريف المصطفى، ۱: ۱۴۶

''اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں بچا لیکن تو بازار سے ہمارے نام پر اپنی تمام ضرورتیں خرید لے۔ جب ہمارے پاس پیسے آجائیں گے ہم اپنا ادھار چکا دیں گے۔''

۱۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين.(۱)

''جس بات کا مجھے اندازہ اب ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔''

۱۳۔ **وصح عن أبي عبيدة بن الجراح وثلاثمائة من الصحابة رضی اللہ عنہم أن زادهم فني فأمرهم أبو عبيدة فجمعوا أزوادهم في مزودين وجعل يقوتهم إياها على السواء.**(۲)

''حضرت ابو عبیدہ اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقعہ پر) ان کا سامان خورد ونوش قریب تھا کہ ختم ہو جاتا۔ پس حضرت ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کر دے اور پھر سب کو یکجا جمع کرتے ہوئے ان سب میں برابر تقسیم کر

(۱) ۱۔ طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۹

۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

(۲) ۱۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۷۹، رقم: ۲۳۵۱

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۲۴۴، رقم: ۸۷۹۲

کے سب کو قوت لا یموت کا سامان مہیا کر دیا۔‘‘

۱۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن الله تعالى فرض على الأغنياء في أموالهم بقدر ما يكفي فقراءهم فإن جاعوا أو عروا أو جاهدوا فبمنع الأغنياء وحق على الله تعالى أن يحاسبهم يوم القيامة ويعذبهم عليه.(۱)

’’اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے تو محض اس لئے کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور ان کی معاشی کفالت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔‘‘

۱۵۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے ابن حزم (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلک إن لم تقم الزکوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة.(۲)

’’ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی

(۱) ۱۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۶، رقم: ۹۳۱

۲۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

(۲) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

زندگی کے کفیل ہوں اور اگر ان کی زکوٰۃ اور بیت المال کی آمدنی سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حاکمِ وقت) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے (یعنی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ) ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لئے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘

۱۶۔ کفالتِ عامہ کے تصور کی وضاحت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بخوبی ہو جاتی ہے جسے ولید بن دینار روایت کرتے ہیں:

أنه سُئل عن الجار فقال: أربعين داراً أمامه وأربعين خلفه وأربعين عن يمينه وأربعين عن يساره.(۱)

’’ان سے سوال کیا گیا کہ پڑوسی سے کیا مراد ہے (جسے بھوکا نہ رہنے دینے کا حکم ہے) آپ نے فرمایا: چالیس گھر سامنے، چالیس گھر پیچھے، چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں۔‘‘

اس ارشاد سے ہر شخص کے لئے اس کی حسبِ استطاعت ’’حیطۂ کفالت‘‘ کا تعین ہوتا ہے کہ اگر اس کے بالکل ساتھ والا پڑوسی حاجت مند نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسے اس قدر دور تک ذمہ داری نبھانی چاہیے۔ اس تصور کی صراحت قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے۔

۱۷۔ ارشادِ ربانی ہے کہ دوزخیوں سے سوال ہوگا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۵۱، رقم: ۱۰۹

۲۔ مزی، تهذيب الكمال، ۳۱: ۱۰، رقم: ۶۷۰۲

مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ○ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ○ وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ○(۱)

’’(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے○‘‘

۱۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تری المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى.(۲)

’’باہمی مودت، تراحم اور دلی وابستگی میں ہم ایمان کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر ایک عضو تکلیف میں ہو تو اس کے لئے سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔‘‘

۱۹۔ **المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً.**(۳)

---

(۱) المدثر، ۷۴: ۴۲۔۴۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۷۰

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۹، رقم: ۲۳۳

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۳۵۳، رقم: ۶۲۲۳

۶۔ عسقلاني، فتح الباري، ۱۰: ۴۳۹، رقم: ۵۶۶۴

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، أبواب المساجد، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، ۱: ۱۸۲، رقم: ۴۶۷

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸۶۳، رقم: ___

’’ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔‘‘

۲۰۔ ليس بالمؤمن الذي يبيت شبعانًا و جاره جائع إلى جنبه. (۱)

’’وہ مومن نہیں جس نے خود تو شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہا۔‘‘

۲۳۱۴ ....

۳۔ بخاري، الصحيح، کتاب الأداب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضاً، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵۶۸۰

۴۔ مسلم، الصحيح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

۵۔ ترمذي، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

۶۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۶۳، رقم: ۳۰۳۴۸

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۰۴، رقم: ۱۹۶۲۴

۸۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳: ۲۷۹، رقم: ۷۲۹۵

۹۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۱

۱۰۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۸۷

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۶

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۵۱

فصل دہم

اِحتکار و اِکتناز کا اِنسداد

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

اِحتکار (hoarding) حَکر سے بنا ہے جس کے لفظی معنی ظلم و بد کے ہیں۔ ابن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

الحکر: الظلم والتنقص وسوء العشرة. (۱)

’’حکر سے مراد ظلم، (اشیائے ضرورت کی) بتدریج قلت پیدا کرنا اور برا معاشرہ (تخلیق کرنا) ہے۔‘‘

اصطلاحی طور پر اس کا مفہوم یہ ہے کہ غلہ اور دوسری اشیاء کو اس غرض سے ذخیرہ کر لیا جائے کہ ان کی قیمتِ فروخت زیادہ ہو جائے اور من چاہی قیمت وصول کرنے کا موقع مل جائے۔ ابن منظور اس کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الاحتکار: جمع الطعام ونحوه مما يؤكل واحتباسه انتظار وقت الغلاء به. (۲)

’’احتکار سے مراد ہے: کھانے، پینے (اور روزمرہ استعمال) کی اشیاء کو جمع کر کے روکے رکھنا تاکہ نرخ بڑھنے کا انتظار کیا جائے۔‘‘

احتکار ایک لحاظ سے اشیاء کی رسد کو روک کر مصنوعی قلت پیدا کرنا ہے۔ یہ ایک شدید معاشی برائی ہے جو کسی بھی معاشرہ میں زبردست معاشی بحران پیدا کرتی ہے۔

اِکتناز (Accumulation) کا مادہ ’’کنز‘‘ ہے جس کے لغوی معنی اس مال

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۲۰۸

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۲۰۸

کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زمین میں دفن کر دیا گیا ہو۔

لسان العرب میں ''کنز'' کا درج ذیل معنی ذکر کیا گیا ہے:

الكنز في الأصل المال المدفون تحت الأرض. (۱)

''کنز اصل میں زمین کے نیچے دفن شدہ مال کو کہتے ہیں۔''

قرآن مجید نے اس لفظ کو ''بڑی دولت'' کے معنی میں استعمال کیا ہے:

يَقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ. (۲)

''کفار یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟''

شرعی اصطلاح میں ''کنز'' وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كل مال لا تؤدى زكاته فهو كنز. (۳)

''ہر مال جس کی زکوٰۃ نہیں دی گئی وہ کنز ہے۔''

۲۔ دوسری روایت میں آتا ہے:

عن أم سلمة قالت: كنت ألبس أوضاحًا من ذهب. فقلت: يارسول الله! أكنز هو؟ فقال: ما بلغ أن تؤدى زكاته فزكي فليس

www.MinhajBooks.com

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۵: ۴۰۲

(۲) ہود، ۱۱: ۱۲

(۳) ۱۔ شافعي، المسند، ۱: ۸۷

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۸۲، رقم: ۷۰۲۲

بکنز. (۱)

’’حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بیان مروی ہے کہ میں سونے کا بنا ہوا (زیور) اوضاع پہنا کرتی تھی۔ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ کیا یہ کنز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مال اس قدر ہو جائے کہ اس میں زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہو اور پھر اس مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔‘‘

اسلامی نظامِ معیشت میں احتکار اور اکتناز دونوں کو مسترد کیا گیا ہے احتکار کے ضمن میں اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ تاجر حضرات، اپنا مال مارکیٹ میں لائیں اور اسے فروخت کریں۔ محتکر (ذخیرہ اندوزی کرنے والا) کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

۳۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من احتكر فهو خاطئ. (۲)

’’جو غلہ روکے وہ خطا کار ہے۔‘‘

اسی طرح دوسرے ذرائع سے اشیائے تجارت کی گرانی کے لئے کوشش کرنا مذموم فعل ہے، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

۴۔ **من دخل في شيء أسعار المسلمين ليغلی عليهم كان حقًا على الله أن يقذفه في معظم جهنم رأسه أسفله.** (۳)

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو وزكاة الحلي، ۲: ۹۵، رقم: ۱۵۶۴

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحين، ۱: ۵۴۷، رقم: ۱۴۳۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، ۳: ۱۲۲۷، رقم: ۱۶۰۵

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۹، رقم: ۱۰۹۳۰

(۳) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۸

’’جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لئے دخل دے کہ اسے گراں کرے تو رب تعالیٰ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے سر کے بل جہنم کی زبردست آگ میں جھونک دے۔‘‘

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احتكر طعامًا أربعين ليلة فقد بريء من الله وبريء الله منه. (۱)

’’جو شخص چالیس دن تک غلہ روک کر رکھتا ہے (اور اس کے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے) وہ اللہ کے ذمہ سے بری ہے اور اللہ اس سے بری ہے۔‘‘

۶۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الجالب مرزوق والمحتكر ملعون. (۲)

’’بازار میں مال لانے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔‘‘

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من صاحب ذهب ولا فضة، لا يؤدي منها حقها، إلا إذا كان يوم القيامة صفحت له صفائح من نار فأحمي عليها في نار جهنم

.... ۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۷: ۵۲۵، رقم: ۱۱۲۱۴

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۴، رقم: ۲۱۶۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳، رقم: ۴۸۸۰

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ۲: ۷۲۸، رقم: ۲۱۵۳

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۴، رقم: ۲۵۴۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۰، رقم: ۱۰۹۳۴

فیکوی بھا جنبه و جبینه و ظهره.[۱]

’’جو کوئی سونا اور چاندی جمع کرتا ہے پھر اس سے حق ادا نہیں کرتا۔ قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ اُنہیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس کے پہلو، پیشانی اور اس کی پیٹھ کو داغ دیا جائے گا۔‘‘

احتکار و اکتناز کا عمل اسلامی معیشت کی روح کے خلاف ہے۔ ان دونوں بڑے افعال سے ’’بخل‘‘ کی لعنت بھی جنم لیتی ہے جو بے شمار اخلاقی، سماجی، معاشرتی اور معاشی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ احتکار و اکتناز کا سدِباب کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں بخل سے اجتناب کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَo[۲]

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںo جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب إثم مانع الزکاة، ۲: ۶۸۰، رقم: ۹۸۷

۲۔ بيهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۳۷، رقم: ۷۳۲۴

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۰۴، رقم: ۱۱۲۶

(۲) التوبة، ۹: ۳۴، ۳۵

جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےo‘‘

۲۔ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ.(۱)

’’(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

ارشادِ ربّانی ہے:

۳۔ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡہُ اَوۡ کَثُرَ ؕ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًاo وَ اِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَۃَ اُولُوا الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنُ فَارۡزُقُوۡہُمۡ مِّنۡہُ وَ قُوۡلُوۡا لَہُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًاo(۲)

’’مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہےo اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہوo‘‘

۴۔ اَلَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗo یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗo کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِo وَ مَاۤ اَدۡرٰکَ مَا الۡحُطَمَۃُo نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُo الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِo اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌo فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍo(۳)

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(۲) النساء، ۴: ۷، ۸

(۳) الھمزہ، ۱۰۴: ۲۔۹

(خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے○ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی○ ہرگز نہیں! وہ ضرور **حطمه** (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا○ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ **حطمه** (چورا چورا کر دینے والی آگ) کیا ہے؟○ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے○ جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی○ بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی○ (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)○''

۵۔ **وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا○ اِۨلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰـهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا○ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا○ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللهُ ؕ وَكَانَ اللهُ بِهِمْ عَلِيْمًا○**(۱)

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو

(۱) النساء، ۴: ۳۶۔۳۹

چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہوo جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہےo اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر، اور شیطان جس کا بھی ساتھی ہوگیا تو وہ برا ساتھی ہےo اور ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا تھا اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے اور اللہ ان (کے حال) سے خوب واقف ہےo‘‘

قرآن حکیم نے نہ صرف احتکار و اکتناز کی ممانعت و مذمت کی بلکہ کئی مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ کی بھی تاکید فرمائی:

۱۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَo(۱)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں٥‘‘

۲۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ٥ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ٥(۱)

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے٥ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے٥‘‘

۳۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ٥ وَ

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ○ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ○ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا○ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا○ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا○ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا○ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى○ (۱)

’’مگر انسان (ایسا ہے) کہ جب اس کا رب اسے (راحت و آسائش دے کر) آزماتا ہے اور اسے عزت سے نوازتا ہے اور اسے نعمتیں بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھ پر کرم فرمایا○ لیکن جب وہ اسے (تکلیف و مصیبت دے کر) آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا○ یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے○ اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو○ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)○ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو○ یقیناً جب زمین پاش پاش کرکے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی○ اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے قطار در قطار (اس کے حضور) حاضر ہوں گے○ اور اس دن دوزخ پیش کی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آجائے گی مگر (اب) اسے نصیحت کہاں (فائدہ مند) ہو گی○‘‘

۴۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ (۲)

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۵۔۲۳

(۲) النساء، ۴: ۸

’’اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو‘‘o

۵۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌo(۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo‘‘

۶۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَo(۲)

’’جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیںo‘‘

۷۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَo الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَo(۳)

’’اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہےo یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲
(۲) البقرة، ۲: ۳
(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۳۔۱۳۴

ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہےo‘‘

۸۔ وَمَآ اَدۡرٰکَ مَا الۡعَقَبَةُo فَکُّ رَقَبَةٍo اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍo یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍo اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍo(۱)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی ومحکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےo‘‘

۹۔ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡهِ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا لَهُمۡ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌo(۲)

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اجر ہےo‘‘

۱۰۔ وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍo(۳)

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو

(۱) البلد، ۹۰: ۱۲۔۱۶

(۲) الحدید، ۵۷: ۷

(۳) یٰسٓ، ۳۶: ۴۷

تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہوگئے ہوo‘‘

۱۱۔ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَo(۱)

’’اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہِ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لئے (یہ سب صرف و سفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھےo‘‘

۱۲۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًاo(۲)

’’اور قرابتداروں کو انکا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo‘‘

۱۳۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ.(۳)

’’لوگ آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

۱۴۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ

(۱) التوبہ، ۹: ۱۲۱
(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶
(۳) البقرة، ۲: ۲۱۹

یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ○[۱]

’’پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں ○‘‘

۱۵۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالۡکٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ○[۲]

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور (کافروں کے لئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہو گی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیں ○‘‘

۱۶۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۚ وَلَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّآ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ ؕ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ○[۳]

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کر لو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہے ○‘‘

(۱) الروم، ۳۰: ۳۸

(۲) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۳) البقرة، ۲: ۲۶۷

۱۷۔ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○ (۱)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا○‘‘

۱۸۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○ (۲)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا○‘‘

احتکار و اکتناز کی نفی اور انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کی اہمیت احادیث مبارکہ میں بھی متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له. ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له. قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر، حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل. (۳)

’’تم میں جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زاد راہ ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف

(۱) الذاريات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴۔ ۲۵

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۴۶

اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں رہا۔‘‘

۲۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے موقع پر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔ (چنانچہ اس طرح عمل کیا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے بانٹ دیا) اگلے سال بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

يا رسول الله! نفعل كما فعلنا عام الماضي. قال: كلوا وأطعموا وادخروا فإن ذلک العام كان بالناس جهد فأردت أن تعينوا فيها.(۱)

’’یارسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس سال کھاؤ بھی اور (حسبِ ضرورت) بچا کر بھی رکھ لو پچھلے سال لوگ پریشان تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔‘‘

۳۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، ومن كان عنده طعام

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبيان نسخه وإباحة إلى متى شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۳

أربعة فليذهب بخامس أو سادس.[1]

’’جس شخص کے پاس دو نفوس کا کھانا ہے وہ تیسرے کو ساتھ ملا لے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچویں یا چھٹے کو ساتھ ملا لے۔‘‘

۴۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے معمول کے بارے میں امام بخاری بیان کرتے ہیں:

كان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.[2]

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کھانا تناول نہیں فرماتے تھے جب تک کوئی حاجت مند آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔‘‘

۵۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸
۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷
۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۲۰۵۷
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۷، رقم: ۱۷۰۲
۵۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۴، رقم: ۸۳۹۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۲، رقم: ۵۶۲۹
۳۔ أبو عوانة، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷
۳۔ أبو عوانة، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

كنا نعد الماعون على عهد رسول الله ﷺ همام الدلو والقدر. (۱)

’’ہم عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ڈول اور ہنڈیا تک عاریۃً ضرورت مندوں کو دینا ماعون تصور کرتے تھے۔‘‘

۶۔ امتناع احتکار و اکتناز کے تصور کی وضاحت آپ ﷺ نے اس طرح فرمائی:

لو كان لي مثل أحد ذهبًا لسرني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين. (۲)

’’اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میری خوشی اس میں ہے کہ تین

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۶: ۵۲۲، رقم: ۱۱۷۰۱

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۹: ۲۰۸، رقم: ۹۰۱۴

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۳، رقم: ۷۵۷۸

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۱۴۳، رقم: ۱۱۵۲۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهباً، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض، باب أداء الديون، ۲: ۸۴۲، رقم: ۲۲۵۹

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب تغليظ العقوبة من لا يؤدي الزكاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۶، رقم: ۸۱۸۰

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۹، رقم: ۳۲۱۴

۶۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۳۵۴، رقم: ۱۰۷۳۸

۷۔ هيثمي، موارد الظمآن، ۱: ۳۲، رقم: ۱۰

۸۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۳۹

راتیں گزرنے سے بھی پہلے میرے پاس کچھ نہ بچے سوائے اس قدر مال کے جسے میں ادائیگی قرض کے لئے بچا رکھوں۔‘‘

۷۔ **فلما فتح الله عليه الفتوح قال: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک ديناً فعليّ قضاءه ومن ترک مالاً فلورثته.**[1]

’’جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی قریب تر ہوں ان میں سے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہے اور جو وہ مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔‘‘

۸۔ قحط کے زمانے میں لوگوں کی مشکلات رفع کرنے کے اہتمام کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الكفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترک مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹
۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على المادردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰
۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الفرائض، باب في ميراث ذوي الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰
۵۔ عبدالرزاق، المصنف، ۸: ۲۸۹، رقم: ۱۵۲۵۷
۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۳
۷۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۴۱، رقم: ۲۵۹۴
۸۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۳۳۳، رقم: ۳۰۶۳
۹۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۵۳، رقم: ۱۳۱۲۳

فوالله لو أن الله لم يفرجها ما تركت أهل بيت من المسلمين لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان من الطعام على ما يقيم واحدًا. (۱)

’’خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجین کو اس میں کلیتاً داخل نہ کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا۔‘‘

۹۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی نوعیت کی ایک روایت امام طبری نے بیان کی ہے:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين. (۲)

’’بے شک مجھے اس امر کا خیال پہلے آ جاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لے کر فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔‘‘

۱۰۔ حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قطعۂ اراضی عطا فرمایا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے انہیں کہا:

يا بلال! إنک استقطعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أرضا طويلة عريضة فقطعها لک، وأن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم يكن يمنع شيئًا يسأله، وأنت لا تطيق ما في يديک، فقال: أجل، فقال: فانظر ما قويت عليه منها فأمسكه، وما لم يطق وما لم تقو عليه فادفعه إلينا نقسمه بين

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲
۲۔ تميمي، الجرح والتعديل، ۱: ۱۹۲

(۲) ۱۔ طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۹
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

المسلمين.(۱)

’’اے بلال! حضور نبی اکرم ﷺ سے ایک طویل و عریض قطعہ اراضی طلب کیا ہے اور آپ ﷺ نے تمہیں یہ قطعہ اراضی عطا فرمایا ہے کیونکہ جو بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں سوال لے کر آتا آپ ﷺ اسے خالی نہ لوٹاتے تھے مگر تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں عطا کیا گیا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ بلکہ اس لئے عطا کیا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس قدر زمین کو تم آباد کر سکتے ہو رکھ لو اور باقی لوٹا دو تاکہ ہم اسے (غریب) مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ (اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے زائد زمین واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔)‘‘

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے حاجت مندوں کی حاجت براری کے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کو کم کر کے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و عمل سے ان کا وجوب اور لزوم ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اگر قرآن حکیم میں زکوٰۃ اور انفاق کے احکام کا تقابلی جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رب ذوالجلال نے انفاق فی سبیل اللہ کا تذکرہ زکوٰۃ کے تذکرے سے دوگنی مرتبہ کیا ہے جو زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کی راہ میں مال کے خرچ کرنے کی دیگر مدات کا پوری شرح و بسط سے احاطہ کرتا ہے۔ مذکورہ بالا آیات و احادیث سے انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کا بڑا حصہ انہی احکام کی ترغیب و ترہیب اور ان سے متعلق احکام کی تفصیل پر مبنی ہے۔ ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت و ثروت جمع و ذخیرہ اندوزی کے لئے نہیں بلکہ صرف اور خرچ کے لئے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی تعیش کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔

(۱) ۱۔ قرشي، كتاب الخراج: ۹۳، رقم: ۲۹۴

۲۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۶۶، رقم: ۷۱۰

اس لئے ان آیات کی تفسیر میں ''جمہور'' کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور ''کنز'' سے متفق وعید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت وثروت کے حصول کا نام ''سرمایہ داری'' ہے۔ اسی طرح اپنی ضروریات اور اہل وعیال کی حاجاتِ اصلیہ اور مالی فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد جو دولت بچ جائے اگرچہ اس کا پس انداز کرنا جائز ہے مگر اس ضمن میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ اس مال میں اجتماعی حقوق کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ مال اجتماعی حاجات پورا کرنے اور عوام الناس کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے کو اوّلیت دیتے ہیں۔

قرآن حکیم کی آیات زکوٰۃ وصدقات اور منع احتکار و اکتناز کے علاوہ آیات میراث اور قانونِ وراثت بھی اسی حکمت پر مبنی ہیں کہ دولت وثروت ''جمع و ذخیرہ'' کے لئے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور گردش کے لئے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔

www.MinhajBooks.com

فصل یازدہم

اِجتماعی مفاد کو اِنفرادی مفادات پر ترجیح حاصل ہے

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

اسلام کے نظامِ معیشت میں انفرادی ملکیت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ افراد کے اشیاء منقولہ کے علاوہ زمین اور ذرائع پیداوار پر بھی حقِ ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے جہاں جہاں بھی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے وہاں افرادِ معاشرہ کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ترغیب بھی دی ہے:

وَ فِیٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ۝ (۱)

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا۝''

اس طرح کی دیگر آیات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام نے انفرادی حق پر مبنی مفاد کو تسلیم کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے مگر:

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا. (۲)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

کے مصداق بنیادی حقِ معیشت کے حوالے سے مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا کو افرادِ معاشرہ کے لئے مباح قرار دیا۔ اس طرح کسی فردِ واحد یا افرادِ جماعت کو اسلامی معاشرے میں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ انہیں معاشی مفاد کے ایسے حقوق کا مالک بنا دیا جائے جو ''مفادِ عامہ'' کے خلاف ہو بلکہ جہاں بھی انفرادی مفاد کی وجہ سے اجتماعی مفاد پر زد پڑتی ہو وہاں اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح دی جائے گی۔ اسلامی معیشت کے اس بنیادی

---

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) البقرة، ۲: ۲۹

اصول کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے:

١۔ عن أبيض بن حمال أنه وفد إلى رسول الله ﷺ فاستقطعه الملح. قال بن المتوكل الذي بمأرب فقطعه له فلما أن ولى قال رجل من المجلس: أ تدري ما قطعت له إنما قطعت له الماء العد قال: فانتزع منه.(١)

''ابیض بن حمال کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مآرب میں نمک کی جو جھیل تھی اس کو بطور عطیہ مانگا۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے نمک کا ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ کیوں اس کے حوالے کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی اصل حقیقت سے آگاہی کے بعد واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرما دیا۔''

٢۔ أن النبي ﷺ أقطع بلال بن الحارث المزني معادن القبلية جلسيها وغوريها وحيث يصلح الزرع من قدس ولم يعطه حق مسلم وكتب له النبي ﷺ كتابًا.(٢)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کو مقام قبلیہ کے پست و بلند حصوں کی کانیں عطیہ کے طور پر دے دیں اور مقام قدس کے ان حصوں کو بھی

(١) ١۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ٣: ١٧٤، رقم: ٣٠٦٤

٢۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ١٤٩، رقم: ١١٦٠٨

(٢) ١۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والامارة والفئ، باب في إقطاع الأرضين، ٣: ١٧٣، رقم: ٣٠٦٢

٢۔ بيهقي،السنن الكبرى، ٦: ١٤٥، رقم: ١١٥٧٧

دیا جو کھیتی کے قابل تھے۔ اور آپ ﷺ نے اس عطیہ میں کسی مسلمان کا حق ان کو نہیں دیا اور اس کے لئے ان کو فرمان لکھ دیا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب دور آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے زائد از ضرورت زمین لے کر غریبوں میں تقسیم کر دی۔ یحییٰ بن آدم قرشی (م ۲۰۳ھ) لکھتے ہیں:

فأخذ منه ما عجز عن عمارته، فقسمه بين المسلمين. (۱)

’’جس زمین کو وہ (بلال) کاشت نہیں کر سکتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ زمین واپس لے لی اور (غریب) مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔‘‘

ان روایات کی روشنی میں یہ اصول طے پایا کہ جہاں عامۃ الناس کے مفادات کا معاملہ ہو وہاں کسی فردِ واحد یا واحد مخصوص جماعت کو حقِ ملکیت نہیں دیا جا سکتا۔

انفرادی مفادات پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کے اصول پر عمل ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی نظر آتا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق اور شام کے علاقے فتح ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مطالبہ کیا کہ ان علاقوں کی زمینوں کو ہم پر تقسیم کر کے ہمیں ان کا مالک بنا دیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خصوصیت کے ساتھ اس پر مصر تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں ہی تقسیم کر دی گئیں تو سرحدوں کے انتظامات، شہروں اور ملکوں کے انتظامات، لشکروں کی ضروریات، بعد میں آنے والے مسلمانوں کی حاجات اور دیگر مستحق غرباء کی ضروریات کے لئے آمدنی کہاں سے آئے گی۔ اس معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفِ اوّل کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلسِ مشاورت منعقد کی اور اس معاملے کو ان کے سامنے پیش کر کے ان کی رائے طلب کی۔ آپ کے دلائل سن کر سب نے آپ رضی اللہ عنہ سے اتفاق کیا۔

(۱) ۱۔ قرشي، كتاب الخراج: ۹۳، رقم: ۲۹۴

۲۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۶۶، رقم: ۷۱۰

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) فرماتے ہیں:

والذي رأى عمر رضي الله عنه من الامتناع من قسمة الأرضين بين من افتتحها عند ما عرفه الله ما كان في كتابه من بيان ذلک توفيقًا من الله كان له فيما صنع، وفيه كانت الخيرة لجميع المسلمين، وفيما رأه من جمع خراج ذلک وقسمته بين المسلمين عموم النفع لجماعتهم.(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ انہوں نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان اراضی کو تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی رائے کی موافقت میں قرآن مجید کے دلائل پیش کیے یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور دراصل اس میں ہی تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی اور خراج کا جمع ہونا اور اس کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیمِ اراضی کے مقابلے میں بدرجہا مفید تھا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے تصورِ معیشت اور قرآن مجید کی انسانی فلاح اور عملِ احسان کی تعلیم کی رو سے اسلامی معاشرہ میں اصولی طور پر انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے گی۔

متذکرہ بالا بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں اسلام کے معاشی نظام کے خد و خال واضح ہو جاتے ہیں جس سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ دنیا کے دیگر نظام ہائے معیشت کے مقابل صرف اسلام ہی ایک مثالی اور فلاحی معاشرے کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۲۹

فصل دوازدہم

غیر سودی معیشت کا قیام

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

۱۔ سودی معیشت کی شرعی ممانعت

سود کو عربی زبان میں رِبٰو / رِبا کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے اس کا معنی کسی چیز کا زیادہ ہونا اور بڑھنا مراد ہے۔ اصطلاحاً رِبا سے مراد مال میں وہ زیادتی ہے جو سرمایہ دار اپنے مقروض کو قرض کی ادائیگی کی مہلت دے کر حاصل کرتا ہے۔

اسلام نے سود کو کسی بڑی یا چھوٹی حالت میں قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○[1]

’’جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۵

پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے o‘‘

۲۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ o (۱)

’’اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا o‘‘

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o (۲)

’’اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ o‘‘

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ج وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ o (۳)

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو o پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے o‘‘

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۶

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۰

(۳) البقرة، ۲: ۲۷۸-۲۷۹

احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں بھی سود اور سود خوری کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن النبي ﷺ قال: الربا بضع وسبعون باباً والشرک مثل ذلک.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر سے زائد درجے ہیں اور شرک بھی اسی طرح ہے (گناہ میں اس کے برابر ہے)۔‘‘

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لعن رسول الله ﷺ آکل الربا ومؤکله وکاتبه وشاهديه وقال: هم سواء.(۲)

’’رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ

(۱) ۱۔ بزّار، المسند، ۵: ۳۱۸، رقم: ۱۹۳۵
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۵، رقم: ۲۸۴۶
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۱۱۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساقاة، باب لعن آکل الربا ومؤکله، ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۱۵۹۸
۲۔ ترمذي، السنن، کتاب البيوع، باب ما جاء في أکل الربا، ۳: ۵۱۲، رقم: ۱۲۰۶
۳۔ أبو داود، السنن، کتاب البيوع، باب في آکل الربا ومؤکله، ۳: ۲۴۴، رقم: ۳۳۳۳
۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۷

سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الربا سبعون باباً أدناها کالذي یقع علی أمه.(۱)

’’سود کے ستر دروازے (ستر قسمیں) ہیں ان میں سے ادنیٰ ترین (قسم کا گناہ) ایسا ہے کہ جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔‘‘

۴۔ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ، جن کو شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا، نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

درهم ربا یأکله الرجل وهو یعلم أشد من ستة وثلاثین زنیة.(۲)

’’سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ شدید (جرم) ہے بشرطیکہ کھانے والے کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔‘‘

دورِ حاضر میں یہ حقیقت بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ سود ایک شدید معاشی برائی (economic evil) ہے۔ اس کے برے اثرات و نتائج انسانی زندگی کے ہر شعبے میں سامنے آئے ہیں۔ گویا سود اپنے اندر روحانی و اخلاقی، معاشی و تمدنی، سیاسی اور معاشی نقصانات لیے ہوئے ہے۔ ذیل میں سود کے ان مفسدات و نقصانات کا تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) ۱۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۴: ۳۹۴، رقم: ۵۵۲۰
۲۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۳: ۵، رقم: ۲۸۴۷

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۲۵، رقم: ۲۲۰۰۷
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۱۲۵، رقم: ۲۶۸۲
۳۔ دارقطني، السنن، ۳: ۱۶، رقم: ۴۸

۲۔ سودی معیشت کے روحانی و اخلاقی نقصانات

اخلاق انسان کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ روح اور اخلاق انسانیت کے جوہرِ عظیم ہیں، سود ان دونوں پر ضربِ کاری لگاتا ہے۔ سود یا سودی کاروبار میں ملوث ہونے سے انسان میں اخلاقی پستی پیدا ہوجاتی ہے اور خود غرضی، حرص و ہوس پرستی، بخل، سنگدلی اور تنگ نظری جیسی برائیاں زبردستی اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ وہ انسان جس میں محامدِ بشری، فیاضی، ہمدردی، اخوت، فراخدلی، ایثار، اعلیٰ ظرفی اور خیر اندیشی جیسی صفاتِ عالیہ ہونی چاہییں تھیں اپنی بیمار روح کے سبب غضب و شہوت، اضافہ در اضافہ مال اور قساوتِ قلبی کا شکار ہو جاتا ہے۔ غرض سود انسان کو صفاتِ عالیہ سے محروم کر کے صفاتِ مذمومہ کی طرف لے جاتا ہے جو انفرادی اور اجتماعی گراوٹ وتنزل کا باعث بنتی ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ عدم اطمینانی اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اوراس طرح اخلاقِ حسنہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ سودی معیشت کے معاشرتی وتمدنی نقصانات

مختلف ممالک اپنا نظامِ مملکت چلانے کے لیے معاہدات کرتے ہیں جن میں مالی امداد اور قرضے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سود کا عنصر شامل ہو جائے تو معاہد ممالک میں منافرت، خود غرضی، عناد اور حسد و رقابت کے جذبات فروغ پانے سے ایک سرد جنگ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ قرض خواہ اور مقروض ملک ایک دوسرے سے تعاون تو کرتے ہیں لیکن ان میں ایک معاندانہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ چونکہ سود کے اثرات تمام رعایا پر پڑتے ہیں اس لیے مقروض ملک کی رعایا میں قرض خواہ ملک کے لیے نفرت و حقارت کے جذبات سر اٹھانے لگتے ہیں جس کا اکثر نتیجہ جنگ اور امن کی پامالی کی صورت میں نکلتا ہے۔ تاریخ اس ضمن میں بہت سے شواہد پیش کرتی ہے۔

۴۔ سودی معیشت کے سیاسی نقصانات

نسلِ انسانی کی تاریخ گواہ ہے کہ جب معاشرے میں سود داخل ہوتا ہے تو ملکی اور بین الاقوامی سیاسی فضا میں کشیدگی اور تناؤ کی سی کیفیت اپنے عروج کو پہنچتی ہے۔ سود ہی کی وجہ سے تعلقاتِ عامہ متاثر ہوتے ہیں، سیاسی معاہدات خسارے میں پڑ جاتے ہیں اور بین الاقوامی تعلقات میں بگاڑ کے باعث قوموں اور ممالک میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ سیاسی برتری سود خور ملک حاصل کرتا ہے جبکہ مقروض ملک سود کے بوجھ تلے محکومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ناپسند کرتے ہوئے بھی قرض خواہ ملک سے سیاسی احکام (Political Dictates) لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح سود سیاسی میدان میں بھی اپنے مفسدات کی وجہ سے سیاسی عدم استحکام (Political Instability)، نفرت، جنگ اور فقدانِ امن کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

۵۔ سودی معیشت کے معاشی نقصانات

روحانی، اخلاقی، معاشرتی و تمدنی شعبہ ہائے زندگی میں سود کی تباہ کاریاں اظہر من الشّمس ہیں ان کے علاوہ سود معاشی میدان میں سب سے زیادہ نقصانات کا باعث بنتا ہے۔ سود کے اہم معاشی نقصانات حسبِ ذیل ہیں:

☆ غریب طبقہ کی مصیبتوں میں اضافہ

☆ عوام الناس کی قوتِ خرید میں کمی

☆ اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ

☆ ارتکازِ دولت

☆ گردشِ دولت (Circulation of Money) میں کمی

☆ تجارتی چکر اور کساد بازاری

☆ قرضِ حسنہ کا خاتمہ

☆ وسیع پیمانے پر معاشی استحصال

☆ سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی

☆ بچتوں (Savings) کا فقدان

☆ بیروزگاری میں اضافہ

☆ ماہرین کی تخلیقی صلاحیتوں سے بے اعتنائی اور مفت خوری کا اجراء

☆ تعیّشات اور عیش پرست زندگی سے محبت جس سے سماجی برائیاں (Social Evils) جنم لیتی ہیں

☆ اقتصادی ترقی میں رکاوٹ

غرضیکہ سود کے معاشی شعبہ (Economic Sector) میں اتنے دور رس مفسدات اور نقصانات ہیں جن کو تفصیل سے بیان کرنا یہاں طوالت کا باعث بنے گا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج کے سائنسی اور علمی ترقی کے دور میں بھی اصحابِ عقل و دانش سود کی برائیوں سے صرفِ نظر نہیں کر سکے جبکہ تاریخ اور حالاتِ زمانہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سود پر مبنی معیشت جلد یا بدیر انحطاط، تنزل اور تباہی کا شکار ہوتی ہے۔

اسلام نے مذکورہ بالا امور کا آج سے تقریباً ۱۵۰۰ سال پہلے ہی ادراک کیا۔ اپنی الہامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی سود کے خاتمے کی طرف رغبت دلائی۔ اسلامی معاشیات کے ماہرین نے قرآن و سنت کی روشنی میں جو اصول و ضوابط مدون کیے ان میں سود کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اربابِ اقتدار کے لئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ انقلابی اقدامات کے ذریعے سود سے پاک معیشت کا قیام عمل میں لائیں۔

خلاصۂ کلام

اسلامی معیشت کے بنیادی اُصول وضوابط کا مندرجہ بالا تجزیہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ اسلام نے جو نظامِ معیشت انسانیت کو عطا کیا ہے اُس میں انسانیت کی ہمہ جہتی فلاح کی ضمانت بنیادی اصول وضوابط میں ہی عطا کر دی گئی ہے، کیونکہ اسلام کا عطا کردہ نظامِ معیشت بنیادی طور پر ان اُصول وضوابط پر تشکیل دیا گیا ہے جن کا مقصود افرادِ معاشرہ کی فلاح اور اللہ کی طرف سے عطا کیے گئے جملہ معاشی وسائل و ذرائع اور اقتصادی مواقع تک ہر فردِ معاشرہ کی مثالی، منصفانہ اور عادلانہ رسائی کو یقینی بنانا ہے۔ تصورِ امانت پر تمام معاشی اُصولوں کی بنیاد رکھتے ہوئے کسی بھی نظامِ معیشت کی تمام قباحتیں جو لامحدود زر اندوزی اور ذخیرہ اندوزی کے نتیجے میں پیدا ہوسکتی تھیں، ان کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ کسی بھی نظامِ معیشت میں جب اکتناز اور ذخیرہ اندوزی ایک حد سے آگے بڑھتی ہے تو اس سے لازماً معاشی وسائل وذرائع کا بہاؤ معاشرے کے اس طبقے کی طرف ہو جاتا ہے جو کسی نہ کسی طریقے سے معاشی وسائل پر زیادہ گرفت اور رسائی رکھتا ہے جبکہ معاشرے کے وہ افراد جو معاشی وسائل و ذرائع تک مناسب رسائی نہیں رکھتے، وہ اُس نظامِ معیشت کے نتیجے میں قدرتی طور پر استحصال کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ اسلام نے اس بنیادی سقم کو جو ہر دور اور ہر معاشی نظام میں موجود رہا، دور کرنے کے لیے وہ رہنما اصول عطا کئے ہیں جن کا نفاذ اسلامی ریاست کے نظامِ معیشت سے اُن تمام موانعات کا تدارک اور معاشی نظام کے اندر موجود منفی رجحات کا سدباب کر دیتا ہے۔ جبکہ اُس کے مقابل مثبت اقدار اور معاشرے کے لئے فیض بخشی اور فیض رسانی کے امکانات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج اسلام کی عطا کردہ تعلیمات اور معاشی اُصولوں کو صرف ہم درس و تدریس، وعظ وتبلیغ یا علمی مباحث تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ ان کو ہر سطح پر عمل میں ڈھالنے کے لیے اقدامات کریں تاکہ معاشرہ ان برکات کا مظہر بن سکے جو اللہ تعالیٰ کے عطا کیے گئے نظام کا لازمی نتیجہ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○(۱)

’’اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، سو ہم نے انہیں ان اعمالِ (بد) کے باعث جو وہ انجام دیتے تھے (عذاب کی) گرفت میں لے لیا○‘‘

(۱) الاعراف، ۷: ۹۶

www.MinhajBooks.com

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آلوسی**، محمود بن عبد اللہ حسینی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ/ ۱۸۰۲۔۱۸۵۴ء)۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۴۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۵۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ الأدب المفرد۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۶۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ۔

۷۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم۔

۸۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۹۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۰۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۱۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الشمائل المحمدیة۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۱۲۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/ ۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۳۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۴۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر والتوزیع۔

۱۵۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۱۶۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ المحلی۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

۱۷۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ المحلی۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۸۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۱۹۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۲۰۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

۲۱۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۲۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ الفردوس بمأثور الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۲۳۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ التفسیر الکبیر۔ طہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۲۴۔ **رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم تمیمی (۲۴۰۔۳۲۷/۸۵۴۔۹۳۸)۔ الجرح والتعدیل۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربی، ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء۔

۲۵۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ الطبقات الکبریٰ۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ و النشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۲۶۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ السنن۔ بھارت: الدار السّلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۲۷۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ السنن۔ ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۲۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ تفسیر جلالین. بیروت لبنان: دار ابن کثیر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۲۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ شرح سنن ابن ماجہ۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۳۰۔ **شافعی**، ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/ ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۱۔ **شافعی**، ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/ ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ۔

۳۲۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۳۳۔ **ابن أبی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۳۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الصغیر۔ عمان: دار عمار، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۵۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الصغیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۶۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الأوسط۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۷۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء۔

۳۸۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۳۹۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ مسند الشامیین۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء۔

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

۴۰۔ **طبری،** ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۴۱۔ **طبری،** ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الأمم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۴۲۔ **عبد الرزاق،** ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۴۳۔ **عبد بن حمید،** ابومحمد بن نصر کسی (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔

۴۴۔ **ابو عبید،** قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ **کتاب الأموال**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔

۴۵۔ **عجلونی،** ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا ومزیل الألباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

۴۶۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۴۷۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تہذیب التہذیب**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۴۸۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **القول المسدود**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۴۰۱ھ۔

۴۹۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **لسان المیزان**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۵۰۔ **ابوعوانہ،** یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۵۱۔ **قاضی عیاض،** ابو الفضل عیاض بن موسیٰ (۴۷۶۔۵۴۴ھ)۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۵۲۔ **قرطبی،** ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحيٰ (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ الجامع لأحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۵۳۔ **قضاعی،** ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ مسند الشھاب۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۵۴۔ **الکتانی،** محمد عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد الحسنی الادریسی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ/ ۱۸۸۸۔ ۱۹۶۲ء)۔ نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الإداریۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۵۵۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ تفیسر القرآن العظیم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۵۶۔ **ابن ماجہ،** ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۵۷۔ **مالک،** ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ الموطا۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۵۸۔ **مزی،** ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن (۶۵۴۔۷۴۲ھ/۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ تھذیب الکمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۵۹۔ **مسلم،** ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۶۰۔ **مقدسی، محمد** بن عبد الواحد بن احمد (۵۶۹۔۶۴۳ھ/۱۱۷۳۔۱۲۴۵ء)۔ **الأحاديث المختارہ۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۶۱۔ **مناوی،** عبد الرؤف بن تاج العارفین (۹۵۲۔ ۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدير شرح الجامع الصغير۔** مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۶۲۔ **منذری،** ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ **الترغيب والترهيب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۶۳۔ **ابن منظور، محمد** بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (۶۳۰۔ ۷۱۱ھ/۱۲۳۲۔۱۳۱۱ء)۔ **لسان العرب۔** بیروت، لبنان: دار صادر۔

۶۴۔ **نسائی،** ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/۸۳۰۔ ۹۱۵ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۶۵۔ **نسائی،** ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/۸۳۰۔ ۹۱۵ء)۔ **السنن الکبری۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۶۶۔ **ابو نعیم،** احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۶۷۔ **ہیثمی،** نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد۔** قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث۔

۶۸۔ **ہیثمی،** نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۶۹۔ **ہیثمی،** نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن إلیٰ زوائد ابن حبان۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

www.MinhajBooks.com
منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

۷۰۔ **یحییٰ بن آدم**، یحییٰ بن آدم القرشی (۲۰۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ۔

۷۱۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دارالمامون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۷۲۔ **ابو یوسف**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابرہیم (۱۱۳۔۱۸۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ۔

www.MinhajBooks.com